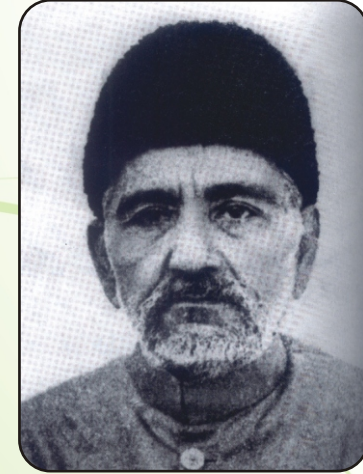


شुآ-ع-امال

हिन्दी, उर्दू मासिक पत्रिका लखनऊ



خطیب اکبر لسان الشعراء مولانا سید اولاد حسین نقوی شاعر اجتہادی
ولادت: ۱۸۸۹ء بمقام لکھنؤ، وفات: ۱۱ ستمبر ۱۹۵۷ء مطابق صفر ۱۳۷۷ھ بمقام حیدرآباد
مدفن: بہ حسینہ حضرت غفران مآب لکھنؤ

شعاع حسن
ماہنامہ

قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ
بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا ہے اور روشن کتاب

SHUA-E-AMAL
Lucknow

NOOR-E-HIDAYAT FOUNDATION



نور ہدایت فاؤنڈیشن، حسینہ غفران مآب، چوک، لکھنؤ-۳

Imambara Ghufuran Maab, Chowk, Lucknow-3 (U.P.) INDIA, Ph.:0522-2252230

ISSN 2456-8384

تقریر

Per Copy 25/-
Annual 200/-

نور ہدایت فاؤنڈیشن کا اسلامی، علمی اور تحقیقی

ماہنامہ
شعاع عمل
لکھنؤ
مارچ ۲۰۱۸ء

زیر سرپرستی

قائد ملت حجة الاسلام والمسلمین

پروفیسر مولانا سید کلب جواد نقوی صاحب قبلہ (امام جمعہ لکھنؤ)

عزت آف نواب رضا صاحب، بھوپال ✽ عزت آف سید احمد عباس نقوی صاحب، ممبئی

سید مصطفیٰ حسین نقوی 'اسیف جانی'

قائم مہدی نقوی تہذیب نگردری

محمد مظفر شاکری، کشمیر * مہدی رضا

ترسیل زر کا پتہ

نور ہدایت فاؤنڈیشن، امام باڑہ غفران آباد، مولانا کلب حسین روڈ، چوک، لکھنؤ-۳

Phone No: 0522-2252230

Mobaile No: 08736009814 -09335996808

پبشر۔ پرنٹر، سید مصطفیٰ حسین نقوی نے مالک ایس۔ کلب جواد نقوی کے لئے نظامی پریس و کٹوریہ اسٹریٹ، اپوزٹ حسین مارکیٹ چوک، لکھنؤ (یو۔ پی)
سے چھپوا کر نور ہدایت فاؤنڈیشن، امام باڑہ غفران آباد، مولانا کلب حسین روڈ، چوک، لکھنؤ (یو۔ پی) سے شائع کیا۔ ایڈیٹر: سید مصطفیٰ حسین نقوی



جلد ۱۲
شمارہ ۹

قیام مؤسسہ

۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ / ۱۶ جولائی ۲۰۱۸ء

اجزاء جدیدہ

۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ / جولائی ۲۰۱۸ء

نگراں: م۔ ر۔ عابد گولہ گنج، لکھنؤ

مجلس مشاورت

- ✽ پروفیسر علامہ علی محمد نقوی، علی گڑھ
- ✽ دکتر مہدی خواجہ پیری، ایران
- ✽ مولانا حسن ظفر نقوی، کراچی
- ✽ کیپٹن سکندر رضوی، لکھنؤ
- ✽ پروفیسر سید حسین کمال الدین اکبر، الہ آباد
- ✽ سید افتخار حسین رضوی انقلابی، بارہ بنگی
- ✽ ڈاکٹر ارشد علی جعفری، لکھنؤ
- ✽ کاظم عباس خاں قی، اعظم گڑھ
- ✽ شاعر اہل بیت رضا سرسوی
- ✽ سید سیف تقی نقوی، دہلی
- ✽ محمد عالم صاحب، حسین آباد، لکھنؤ

ارشاد

اسلامی تعلیمات میں سب سے مقدم چیز توحید ہے یعنی اللہ کو ایک ماننا اسی کے لئے پیغمبر اسلامؐ نے تمام زمیں اور مشقتیں برداشت کیں۔

اگر پیغمبرانِ جاہل، بت پرست قبائل عرب سے یہ کلمہ پڑھوانا چاہتے کہ ”اللہ الہ“ تو جتنے قریش تھے، جتنے عرب تھے، جتنی دنیا اس وقت تھی، سب کے سب اس کے لئے آسانی سے تیار ہو جاتے۔ اگر اللہ کو فقط منوانا منظور ہوتا تو جن کا ذوق عبادت تین سو ساٹھ کو مان رہا تھا ان کو تین سو اکسٹھ کے ماننے میں کیا عذر ہو سکتا تھا اور پھر وہ مشرکین عرب اللہ کو مانتے تو تھے ہی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے: ”وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ“ (سورہ زمر آیت ۳۸) اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔

دوسری جگہ ”وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ“ (سورہ عنکبوت آیت ۶۱) ان سے پوچھو کہ زمین و آسمان کا خالق کون ہے اور شمس و قمر کو کس نے مسخر کیا ہے تو کہیں گے کہ اللہ نے ”وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ“ (سورہ عنکبوت آیت ۶۳) ان سے پوچھو کہ کون آسمان سے پانی برساتا ہے اور اس سے زمین مردہ کو زندہ بنا دیتا ہے تو کہیں گے کہ اللہ۔ معلوم ہوا کہ مشرکین قریش سے اس بات پر جہاد نہ تھا کہ وہ اللہ کو نہ مانتے ہوں۔ صرف اللہ کے ماننے نہ ماننے کا سوال نہ تھا۔ وہ چیز جو کل اختلاف تھی اور جس نے رسولؐ کے مقابل ان کو صف آرا بنا دیا تھا وہ یہ تھی کہ اسلام کہتا تھا اس کے ایک خدا کے بتلائے ہوئے کے سوا کسی کو نہ مانو، بس یہ غیر اللہ کا نہ ماننا ان کے لئے دشوار تھا۔ اس کا پیغام تھا ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ اللہ کا ثبوت بعد کو ہوگا پہلے ہر غیر کی نفی کر لو۔ اس نفی کی راہ سے اس کے اقرار تک پہنچو۔ بس یہ درمیان کی خندق عبور کرنا ان پر گراں تھا۔ وہ کسی کو اللہ کے سوا نہ مانیں یہ گوارا نہ تھا۔

(آیت اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقوی طاب ثراہ)

ارشاد

دین کی بنیاد یہ ہے کہ یہ کائنات خود بخود کسی حادثہ کے نتیجہ میں نہیں پیدا ہوئی بلکہ کوئی ارادہ و حکمت والا ہے جس نے حکمتوں، مصلحتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے دنیا کو پیدا کیا ہے اور یہ عقیدہ خود انسان کے دل، ضمیر اور وجدان سے تعلق رکھتا ہے اس کے لئے نہ کسی نبی کی ضرورت ہے اور نہ کسی ہادی کی (انبیاء کا کام فطرت کے تقاضے کو صحیح سمت پر لگانا ہے) انسان میں ہر طرح کے عوامل و محرکات ہوتے ہیں اور کچھ وہ ہوتے ہیں جن کے محرکات خود ذات میں پائے جاتے ہیں پہلے کی مثال ہیں بولیاں اور لباس وغیرہ اور دوسرے کی مثال جنسی خواہشات، جذبہ تحفظ نفس ہیں پہلے کو عادی امور کہا جاسکتا ہے اور دوسرے کو فطری۔

فطرت کی پہچان

عادی امور زمانہ، حالات اور ماحول کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں۔ جیسے ہماری زبان اردو صرف ڈیڑھ دو سو برس میں اتنی بدلی کہ ایک صدی پہلے کے لب و لہجہ، محاورے اور طرزِ مخاطب آج سمجھنے میں مشکل ہوتی ہے۔ پھر ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں چلے جانے پر بھی اسی زبان میں تغیر ہو جاتا ہے۔ یہ ایک زبان کی بات ہے جب ہمارے ملک میں بہت سی بولیاں ہیں پھر جب ایک ملک سے دوسرے ملک میں جاتے ہیں تو صرف زبان ہی نہیں، لباس، رہن سہن، رسم و رواج سب بدل جاتے ہیں لیکن جنسی خواہش، بھوک، پیاس اور تحفظ نفس کا جذبہ ہر جگہ ملے گا۔ اس لئے کہ پہلی باتیں عادت اور ماحول سے تعلق رکھتی ہیں لہذا بدل جاتی ہیں اور دوسری باتوں کا تعلق فطرت سے ہوتا ہے لہذا تبدیل نہیں ہوتیں۔

فطرت اور عادت کو پرکھنے کی دو صورتیں ہیں: (۱) کسی ایک قوم کی تاریخ کے ورق برابر پلٹے جاتے رہیں اور دیکھا جائے کہ ان میں سے کون سی چیز بدلتی رہی اور کون سی چیز اپنی جگہ قائم رہی۔ جو بدلتی رہی ان کا تعلق ماحول سے تھا اور جو تاریخ کے ہر ورق میں قائم رہیں وہ فطرت کی طلب تھی۔ (۲) ایک ہی زمانہ میں مختلف قوموں کے حالات کو دیکھا جائے کہ ان میں متمدن غیر متمدن، ترقی یافتہ، پسماندہ لوگوں کو دیکھا جائے کہ ان میں کیا چیز مشترک ہے اور کیا بدلتی رہتی ہے، جو مشترک ہے وہ فطری ہے اور جو بدلتی رہتی ہے اس کا تعلق عادت سے ہے۔ اگرچہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کئی دن فاقے کرنے سے بھوک مر جاتی ہے اور مسلسل نفس کشی سے خواہش ختم ہو جاتی ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان دونوں کی طلب فطری نہ تھی۔ بلکہ ایسے موقع پر عادت فطرت پر غالب آ جاتی ہے

(علمبردار اتحادِ دین المسلمین صفوة العلماء مولانا سید کلب عابد نقوی رحمت مآب)

فہرست مضامین

(مارچ ۲۰۱۸ء / جمادی الثانی ۱۴۳۹ھ)

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	(اداریہ)	م۔ر۔عابد	۵
۲	شہدائے کربلا (قسط۔۸)	آیت اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی	۶
۳	قطعہ/نام حسین	شیدائے اہلبیت آنجنہانی وشوناتھ پرشاد ناتھ لکھنؤ	۲۵
۴	قطعہ/صبر شبیری	محجید آنجنہانی چندر شیکھر سکسینہ شیکھر	۲۵
۵	اقوام عالم میں عورت کا معیار (قسط۔۲)	علامہ سید محمد بنی حسن صاحب قلمہ کامونپوری	۲۶
۶	پردہ ایک فطری ضرورت	محترمہ جہان آرا قزلباش	۲۸
۷	رباعی/مجلس میں عجب بہار چشم تر ہے	خدائے سخن حضرت میر انیس اعلیٰ اللہ مقامہ	۲۹
۸	مرثیہ: در حال حضرت امام حسینؑ (بند ۲۱۱)	دعبل ہندو اب مولانا فرزند حسین ذاکر اجتہادی	۳۰
۹	قطعات	فدائے اہلبیت آنجنہانی برج ناتھ پرشاد مخمور	۵۶
۱۰	خبرنامہ	(ادارہ)	۵۷

مجلس ادارت

✽ ڈاکٹر امانت حسین نقوی
✽ حیدر عباس نقوی، الد آباد
✽ عمیل شمسی، لکھنؤ
✽ واصف احمد نقوی 'سمیر'
✽ شاہد علی اعظمی
✽ ذوالفقار حیدر اعظمی
✽ الحاج مرزا ہاپوں قدر
✽ ریحان عالم، لکھنؤ
✽ سلمان حسین، لکھنؤ
✽ بنت زہراء ندکی الہندی
✽ الحاج فرید مہدی رضوی

✽ ظفر حسین رضوی بیورو چیف ممبئی
✽ عرفان حیدر، بیورو چیف مدھیہ پردیش
✽ کیف نقی نقوی، بیورو چیف دہلی

R.N.I. NO.
UPBIL/2004/13526
Postel Regd. NO.
SSP/LW/NP-75/2017-2019

WEBSITE:

www.noorehidayatfoundation.org
www.naqeeblucknow.com

E_mail:

noorehidayat@yahoo.com
noorehidayat@gmail.com

زرسالانہ

ایک سال کے لئے: -/200
پانچ سال کے لئے: -/800
لائف ممبر شپ: -/5000

ماہنامہ

‘شعاع عمل‘

(ہندی وارو)

‘خاندان اجتہاد نمبر‘ روزنامہ نقیب لکھنؤ

اور نور ہدایت فاؤنڈیشن کے تمام مطبوعات ڈاؤن لوڈ کرنے کے لئے

لاگ آن کریں ہماری ویب سائٹ

www.noorehidayatfoundation.org

www.naqeeblucknow.com

ماہنامہ ”شعاع عمل“، لکھنؤ

مارچ ۲۰۱۸ء

اداریہ

مارچ کا تازہ شمارہ حاضر خدمت ہے۔ یعنی یہ نوروز کا نیا نو یلا تازہ بہ تازہ نئے سال کے نئے دن کا شمارہ ہے۔ لیکن اگر کچھ غور سے سوچئے تو کلینڈر سال کی تاریخیں اور مہینے تو حقیقت سے بہت قریب ہیں مگر یہ تاریخیں اور دن تو بالکل حقیقت کی اصل سے دور ہیں یہ سب ہمارے فرض کئے ہوئے ہیں، ہمارے بزرگوں کے فرض کئے ہوئے ہیں کب سے؟ نہیں پتہ۔ بہر حال ہبوطِ آدم یا طوفانِ نوح کے بعد ہی کے ہوں گے۔ تاریخوں اور دنوں کے فلسفہ کے بارے میں بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔ لیکن دامنِ قرطاس میں اور وقت میں اتنی گنجائش نہیں ہے۔ بہر حال پھر کبھی، جستہ جستہ، کبھی کبھی۔

گذشتہ کئی شماروں سے ”شہدائے کربلا“ کا ذکر ان صفحات پر حاوی ہے۔ یہ ذکر ہونا بھی چاہئے کیونکہ اسی سے کائنات کو بقا ہے، ہمارا دین اسلام باقی ہے اور باقی رہے گا۔ اس ذکر کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ یہ بہت زود اثر اور دیر پا اثر والا رہا ہے، وقت اور زمانے کی قسم نیرنگی کی سوگند۔ اس نے بڑی سے بڑی، بڑی سے بڑی جابر و قاهر سلطنتوں کو تخت و تاج سے محروم کر دیا، مسلم خلافتوں کے اسلامی چولے کو بے نقاب کر کے ان کی اسلامی نقاب کو تار تار کر دیا۔ کتنی ہی جلالتِ آّب ”جہاں پناہ“ سلطنتوں کو مٹی میں ملا دیا۔ ان کے سارے ہوا خواہوں کا دمِ خم سب چکنا چور کر چٹ کر دیا۔ رہے نام اللہ کا!!!

اس کے بعد اگر کوئی نام رہنے والا ہے تو کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ایک نام اگر ہو سکتا تو محمدؐ کا اور اگر دوئی کا صیغہ ہو محمدؐ و علیؑ کا۔ اور آگے اگر جمع کا ہو تو آلِ محمدؐ کا۔ محمدؐ ہی تاریخِ عالم میں وہ پہلی ہستی ہیں جنہوں نے عورت کو اس کے اپنے صحیح خدو خال میں پیش کیا، اس کے حقوق دیئے، دلوانے کا فرمان دیا۔ جس نے مانا اسے ان کے اتباع کی سعادت حاصل ہوئی جس نے نہ مانا وہ کم نصیب بے دست و پا نہ تھا، تنگ دست، تنگ مزاج، تنگ نظر رہ گیا۔

آگے زیادہ کیا عرض کیا جائے اب آپ ہیں اور آپ کے تازہ شمارے کے مضامین شرابِ کہنہ کے نئے نئے جام۔ لطف لیجئے، خم اٹھائے۔

م۔ر۔عابد

شہدائے کربلا

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقویؒ

(۱۱۷) عبداللہ بن مسلم بن عقیلؒ

ان کی والدہ گرامی رقیہ بنت علی بن ابیطالبؓ تھیں۔^(۱)

یہ عمر بن علیؓ کی حقیقی بہن تھیں۔ ان کی والدہ ام حبیب بنت عباد بن ربیعہ بن یحییٰ بن العبد بن علقمہ التغلبیہ تھیں جنہیں امیر المومنینؑ نے جنگ یمامہ یا عین التمر کے اسیروں میں سے خرید فرمایا تھا۔^(۲)

اس اعتبار سے عبداللہ کو امام حسینؑ کے ساتھ دُہرا رشتہ تھا۔ ایک تو چچا زاد بھائی کے فرزند تھے اور پھر بھانجے۔ جناب مسلمؑ کی عالم غربت میں شہادت ابھی بالکل تازہ واقعہ تھی اور اس کا اثر امامؑ کے دل پر بہت زیادہ تھا اور اسی لئے شب عاشور آپؑ نے اپنے اصحابؓ سے جو مخاطبہ فرمایا ہے، اس میں عقیلؒ کی اولاد سے خاص طور پر یہ خطاب فرمایا تھا کہ تمہارے لئے مسلمؑ کا قتل ہو جانا کافی ہے۔ تم چلے جاؤ۔ میں تم کو اجازت دیتا ہوں۔ مگر ان سب نے متفق ہو کر کہا تھا کہ لوگ بھلا ہم کو کیا کہیں گے؟ کہیں گے کہ ہم نے اپنے سید و سردار اور اپنے چچا کی اولاد کا ساتھ چھوڑ دیا، اور ان کے ساتھ نہ کوئی تیر لگایا، نہ نیزہ مارا اور نہ تلوار چلائی، اور خبر بھی نہ لی کہ ان پر کیا گزر گئی۔ ہر گز نہیں ہم

ایسا نہیں کریں گے۔ بلکہ ہم اپنی جان اور مال اور اہل و عیال آپؑ پر فدا کر دیں گے۔ اور آپؑ کے ساتھ رہ کر جنگ کریں گے۔ یہاں تک کہ جو آپؑ کا انجام ہو وہی ہمارا بھی ہو۔ کیونکہ خدا غارت کرے اس زندگی کو جو آپؑ کے بعد ہو۔^(۱)

جناب علی اکبرؑ کو پہلا شہید قرار دینے کے بعد عبداللہؒ دوسرے شہید ہیں اور جن لوگوں نے جناب علی اکبرؑ کی شہادت کو سب سے آخر میں بیان کیا ہے وہ عبداللہؒ کو سب سے پہلا ہی شہید قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ابن شہر آشوبؒ نے لکھا ہے:

”اول من برز من بنی ہاشم عبداللہ بن مسلم۔“

”سب سے پہلے جو میدان میں بنی ہاشم میں سے نکلے وہ عبداللہ بن مسلم تھے۔“^(۲)

تاریخ روضۃ الصفا میں ہے:

”اول کسی کہ از اہلبیت قدم در میدان مبارزت نہاد، عبداللہ بن مسلم بن عقیل بود۔“^(۳)

طبریؒ کی روایت کے مطابق معلوم یہ ہوتا ہے کہ

(۱) طبری، ج ۶ ص ۲۳۹ (۲) مناقب، ج ۴ ص ۹۶ (۳) روضۃ الصفا، مطبوعہ نولکشور، ج ۳ ص ۵۸۵

(۱) تنقیح المقال، ج ۲ ص ۲۱۷ (۲) ابصار العین، ص ۵۰

شہید ہو کر گر گئے۔ ان کو ابو مرہم ازدی اور لقیط بن ایاس
جہنی نے قتل کیا۔

’مناقب‘ ابن شہر آشوب میں ہے کہ محمد بن مسلم نے
جنگ کی اور ابو مریم ازدی نے آپ کو نیزہ سے شہید کیا۔
صاحب ’ناسخ‘ نے لکھا ہے:-

”تواند شد کہ از پسران مسلم

ابن محمد الاکبر است۔“

اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے چھوٹے بھائی بھی کوئی
ہیں جن کا نام محمد تھا۔ ممکن ہے صاحب ناسخ کی نظر اس فقرہ
میں اس مشہور روایت کی طرف ہو جو پسران مسلم کی کوفہ
میں شہادت کے بارے میں ہے کیونکہ صاحب ’ناسخ‘ نے
اس روایت کو پوری تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔ مگر جہاں
تک میں سمجھتا ہوں تاریخی حیثیت سے اس روایت کا کوئی
اعتبار نہیں ہے۔

(۱۱۹) جعفر بن عقیل بن ابی طالبؑ

مناقب ابن شہر آشوب میں عبد اللہ مسلم کی شہادت
کے بعد لکھا ہے کہ اس کے بعد جعفر بن عقیلؑ میدان جنگ
میں آئے اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

انا الغلام الابطحي الطالبي
من معشر في هاشم من غالب
ونحن حقاً سادة الذوائب
هذا حسين اطيب الاطائب
”(یعنی) میں مکہ کا رہنے والا۔ طالبؑ

کے خاندان کا ہاشم کی نسل سے اور غالب
کے گھرانے سے ہوں۔ یقیناً ہم تمام قبائل

جناب علی اکبرؑ کی شہادت سے خیمہ میں کھرام برپا
ہوا تو کمسن بچے گھبرا کر خیمہ سے باہر آ گئے۔ بے رحم دشمنوں
کو موقع مل گیا۔ عمرو بن صبیح صیدائی نے عبد اللہ بن مسلمؑ بن
عقیلؑ کو تیر لگایا جو بچہ کی پیشانی کی طرف آیا۔ بچہ نے
گھبرا کر اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھ دیا۔ تیر نے ہاتھ کو پیشانی
کے ساتھ چسپاں کر دیا۔ پھر دوسرا تیر آیا جو سینہ پر پڑا اور اس
نے کام تمام کر دیا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت کمسن تھے
اور بغیر جنگ کے شہید ہوئے۔ مگر مناقب اور بحار وغیرہ
میں ان کی رجز اور جنگ موجود ہے۔

علامہ مامقانی نے بعض علمائے انساب کے حوالہ سے
تحریر کیا ہے کہ عبد اللہؑ کی عمر چودہ سال تھی۔^(۱)

ان کے قاتل کا نام عمرو بن صبیح صیدائی ہے۔
’مناقب‘ میں لکھا ہے کہ ان کو عمرو بن صبیح اور اسد بن مالک
نے قتل کیا۔ ممکن ہے کہ وہ دوسرا تیر اسد بن مالک ہی کا ہو۔
زیارت شہداء میں ان پر سلام موجود ہے۔

(۱۱۸) محمد بن مسلم بن عقیلؑ

یہ عبد اللہ کے مختلف البطن بھائی تھے۔ ابن جوزی
نے لکھا ہے کہ ان کی والدہ ام ولد تھیں۔ علامہ مامقانی نے
ان کی عمر بارہ یا تیرہ سال لکھی ہے۔^(۲)

ابصار العین فی انصار الحسینؑ میں ہے کہ عبد اللہ کے
قتل ہونے کے بعد اولاد ابی طالب نے ایک ساتھ حملہ
کر دیا۔ امام نے آواز دی ہاں! میرے چچا کے فرزند و
موت کے مرحلہ کو سر کر دو۔ چنانچہ ان میں سے محمد بن مسلم

(۱) تنقیح المقال، ج ۲ ص ۲۱۸ (۲) تنقیح المقال، ج ۳ ص ۱۸۷

کے سردار ہیں اور یہ حسینؑ تمام پاکیزہ

اشخاص میں سب سے زیادہ پاکیزہ ہیں۔“

دو آدمی اور ایک روایت کے مطابق پندرہ آدمی
فوج مخالف کے قتل کئے اور پھر بشر بن خوط ہمدانی کے ہاتھ
سے قتل ہوئے۔

’تاریخ روضۃ الصفاء میں ہے:

”اول کسے کہ از اہل بیت قدم

در میان مبارزت نہاد عبداللہ بن

مسلم بن عقیل و بعد از وی جعفر

بن عقیل۔“

’ناسخ‘ میں عبداللہ اور محمد پسران مسلمؑ دونوں کی
شہادت کے بعد لکھا ہے:

”بعد از ایشان نوبت بہ پسران

عقیل افتاد اول کس جعفر بن

عقیل بود۔“

زیارت شہداء میں بھی جعفر بن عقیل پر سلام موجود
ہے۔ اس میں بھی ان کا قاتل بشر بن خوط ہمدانی کو قرار دیا
گیا ہے۔ مگر طبری نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن عزرہ خثعمی نے
تیر مارا، جعفر بن عقیلؑ نے اس تیر سے شہادت پائی۔
صاحب ’ناسخ‘ جن کی تاریخی موثقافیوں کا جائزہ میں پہلے
لے چکا ہوں اس مقام پر بھی عجیب غلط فہمی میں مبتلا ہوئے
ہیں۔ انہوں نے یہ لکھنے کے بعد کہ جعفر کو بشر بن خوط نے
قتل کیا حسب ذیل الفاظ سپرد قلم کئے ہیں:

”از حمید بن مسلم و ابی جعفر

الباقر مرویست کہ اورا عروہ بن

عبداللہ خثعمی مقتول ساخت۔“

اس سے آپ سمجھتے ہوں گے کہ امام محمد باقرؑ کی
حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ صاحب
’ناسخ‘ نے کسی جگہ ابوجعفر کے حوالہ سے یہ دیکھا ہوگا کہ
جعفر کا قاتل عبداللہ بن عزرہ ہے۔ انہوں نے ابوجعفر سے
امام باقرؑ کو مراد سمجھ لیا۔ حالانکہ ابوجعفر علامہ طبری کی کنیت
ہے اور وہی اس سے مراد ہیں۔

(۱۲۰) عبدالرحمن بن عقیلؑ

ابن شہر آشوب نے جعفر بن عقیلؑ کی شہادت کے بعد
لکھا ہے کہ ان کے بعد عبدالرحمن بن عقیلؑ میدان جنگ
میں آئے۔ رجز پڑھی اور بہت سے اشیاء کو قتل کیا پھر عثمان
بن خالد جہنی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ ’روضۃ الصفاء‘ میں
ہے:-

”بعد از جعفر بن عقیل

عبدالرحمن بن عقیل بمیدان

رفتہ جنگ کرد تا کشتہ شد۔“

طبری نے لکھا ہے کہ عثمان بن خالد بن اسیر جہنی اور
بشر بن خوط ہمدانی دونوں نے مل کر عبدالرحمنؑ پر حملہ کیا اور وہ
ان دونوں کے ہاتھ سے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

زیارت شہداء میں ان پر سلام کے الفاظ یہ ہیں:-

”السلام علی عبدالرحمن بن

عقیل لعن اللہ قاتله و رامیہ

عمر بن خالد بن اسد الجہنی۔“

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انہیں عمر بن خالد نے تیر

لگایا تھا۔

(۱۲۱) عبداللہ بن عقیلؓ

صاحب 'ناسخ' نے عبدالرحمن بن عقیل کی شہادت کے بعد لکھا ہے:-

”از پس او عبداللہ بن عقیل بن ابی طالب بمیدان آمد و رزمی صعب داد و بعد از کروفر فراوان عثمان بن اشیم الجہنی و بشر بن خوط الفایضی اورا شہید کردند و بروایت سلمان بن ابی راشد و او سند بحمید بن مسلم میرساند او عبداللہ اصغر است و مادرش ام ولد است و بعد از و برادرش عبداللہ اکبر بمیدان آمد و مادر او نیز ام ولد است قتال عظیم داد و بروایت مدنی عثمان بن خالد الجہنی و مردی از قبیلہ ہمدان او را بقتل آوردند۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیل کے دو فرزند عبداللہ نام کے کربلا میں شہید ہوئے۔ ایک عبداللہ اکبر اور ایک عبداللہ الاصغر۔

ابن شہر آشوب نے مناقب میں لکھا ہے:-

”روی ان عبداللہ بن عقیل الاکبر قاتل فقتله عثمان بن خالد الجہنی۔“

”ایک روایت میں یہ ہے کہ عبداللہ

اکبر فرزند عقیل نے جنگ کی اور عبداللہ بن

خالد جہنی نے ان کو قتل کیا۔“

علامہ سید محسن امین عالمی نے بھی شہدائے کربلا میں عبداللہ اکبر ابن عقیل کا نام درج کیا ہے۔^(۱)

مگر زیارت شہداء میں کوئی ذکر عبداللہ کا نہیں ہے۔ طبری نے بھی ان کی شہادت درج نہیں کی ہے۔ اور ’ابصار العین فی انصار الحسین‘ میں بھی شہدائے کربلا میں ان کا تذکرہ نہیں ہے۔ اور صاحب ’مناقب‘ نے بھی بہت کمزور طور پر ”بروایت“ کی لفظ سے ان کی شہادت کا ذکر کیا ہے۔ اس لئے مجھے پورا وثوق اس کے متعلق نہیں ہے۔ پھر جب ایک ہی عبداللہ کی شہادت واقعہ کربلا میں مشکوک ہے تو دو (۲) کا کیا ذکر۔ جن کے تذکرہ میں صاحب ناسخ متفرد ہیں۔

(۱۲۲) موسیٰ بن عقیل

علامہ مامغانی نے تنقیح المقال (ج ۳ ص ۲ ۵۷) میں ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کی والدہ ام البنین بنت ابی بکر بن کلاب العامری تھیں اور وہ شہدائے کربلا میں سے ہیں۔

صاحب 'ناسخ' لکھتے ہیں:

”ابو مخنف حدیث می کند کہ موسیٰ بن عقیل بحضرت حسین علیہ السلام داد بمیدان مبارزت تاخت وایں ارجوزہ قرائت کرد۔“

(۱) اعیان الشیعہ، ج ۲ ص ۲۵۱

علامہ سید محسن عالمی نے شہدائے کربلا کی فہرست میں ان کو ”عون بن مسلم بن عقیل“ لکھا ہے۔^(۱)

(۱۲۴) علی بن عقیلؑ

صاحب ’ناخ‘ لکھتے ہیں:-

”فاضل مجلسی باسناد خود

علی بن عقیل را در شمار شہدائے

کربلا رقم کردہ۔“

(۱۲۵) جعفر بن محمد بن عقیل

ابن شہر آشوب نے ان کا نام نو (۹) کی تعداد

میں اولاد عقیل سے جو کربلا میں شہید ہوئے ہیں درج کیا

ہے۔ صاحب ’ناخ‘ لکھتے ہیں کہ:-

”دیگر جعفر بن محمد بن

عقیل است کہ در شمار شہدائے

کربلا او را در قلم آورده اند

بروایتے در یوم حرّہ شہید شد۔“

علامہ سید محسن نے بھی شہدائے کربلا کی فہرست

میں ان کا نام لکھا ہے۔

(۱۲۶) احمد بن محمد بن عقیل

علامہ مامغانی نے لکھا ہے کہ وہ روز عاشور

میدان جنگ میں آئے اور یہ جڑ پڑھ رہے تھے:-

اليوم اتلو حسبي و ديني

بصارم تحمله يميني

احمي به عن سيدى و ديني

ابن علي الطاهر الامين

يا معشر الكهول والشبان

اضربكم بالسيف والسنان

احمي عن الفتية والنسوان

وعن امام الانس والجان

ارضى بذاك خالق الانسان

ثم رسول الملك البنان

”و حملہ گراں افگند و چنداں

بکوشید کہ ہفتاد کس از سپاہ

ابن سعد را با شمشیر در گذرانید

انگاہ شہید گشت۔“

میرے تمام معتبر ماخذ اس ذکر سے خالی ہیں اس

لئے مجھے اس پر اطمینان نہیں ہے۔

(۱۲۳) عون بن عقیل

ابن شہر آشوب نے ان کا نام شہدائے کربلا میں درج

کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اہلبیت میں سے جو لوگ کربلا

میں شہید ہوئے ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ اکثر کا

قول یہ ہے کہ وہ ستائیس تھے جن میں سے نو (۹) عقیل کی

اولاد میں سے تھے ان میں سے ایک عون تھے۔^(۱)

صاحب ’ناخ‘ لکھتے ہیں:-

”ابن جوزی در کتاب ’تذکرہ

خواص الامہ فی معرفۃ الائمہ‘

عون را در شمار پسران عقیل

آورده اورا نیز مقتول یوم طف

دانستہ۔“^(۲)

(۱) اعیان الشیعہ، ج ۴ ص ۲۵۱

(۱) مناقب، ج ۴ ص ۹۹ (۲) ناخ التواریخ، ج ۶ ص ۲۸۱

”اے آنکھ نالہ و فریاد کے ساتھ ساتھ
آنسو بہا اور اگر نوحہ کرنا ہے تو آل رسول پر
نوحہ کر۔“

تسعة منهم لصلب علی
قد ابیذوا و تسعة لعقيل
”نواں میں سے علی کے صلب سے
تھے جو قتل ہو گئے اور عقیل کی اولاد سے
تھے۔“

ابن شہر آشوب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس
تعداد میں جناب مسلم بن عقیل کا بھی حساب ہے جو نصرت
امام حسینؑ میں کوفہ میں شہید ہوئے۔ اب شہدائے کربلا کی
تعداد اولاد عقیل میں سے آٹھ قرار پاتی ہے۔
لیکن مذکورہ بالا نام جو اولاد عقیل کے ذکر ہوئے ہیں
وہ دس ہیں۔

ان کے علاوہ ایک ”محمد بن ابی سعید بن عقیل“ کا نام
بھی شہدائے کربلا میں مذکور ہے جنہیں تمام بنی ہاشم کے
بعد سب سے آخری مقتول کی حیثیت سے ذکر کیا جائے گا۔
اس کے بعد یہ تعداد گیارہ تک پہنچ جاتی ہے، جو کسی طرح
قابل قبول نہیں ہے۔ اس لئے یقیناً مذکورہ بالا اشخاص میں
سے بعض کے نام جن پر کافی تاریخی شہادت موجود نہیں
بالکل ناقابل اعتبار ہیں اور نظر انداز کرنے کے قابل ہیں۔
پھر وہ اشعار جو صاحب نسخ نے سراقہ باہلی یا مسلم بن
قتیبہ کی طرف منسوب کر کے لکھے ہیں، ان ہی اشعار کو مصنف
’ابصار العین‘ نے سلیمان بن قتیبہ الیمی کے نام سے درج کیا
ہے اور اس میں پہلے دونوں شعروں کے الفاظ یہ ہیں:-

”اور بہت سے لوگوں کو فوج دشمن میں
سے قتل کیا۔ یہاں تک کہ ان کا گھوڑا زخمی
ہو کر ہلاک ہو گیا پھر چاروں طرف سے
گھیر کر انہیں بھی قتل کر ڈالا گیا۔“
صاحب نسخ لکھتے ہیں:-

”ہشتاد تن از کوفیان را
بکشت انگاہ کشته گشت آن
وقت نوبت باولاد جعفر طیار
رضوان اللہ علیہ افتاد۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد عقیل کے سلسلہ میں
سب سے آخر میں یہی شہید ہوئے ہیں اور ان کے بعد
اولاد جعفر کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔
میں نے آخری نام بغیر کسی نقد و تبصرہ کے درج کر
دئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ معتبر ماخذ ان کے ذکر سے
خالی ہیں۔

ابن شہر آشوب کی زبانی آپ نے سنا کہ عقیل کی
اولاد جو نصرت امام حسینؑ میں شہید ہوئی ہے اس کی تعداد
نو (۹) ہے۔ اس کی تائید ان اشعار سے ہوتی ہے جو
سراقہ باہلی نے آل علی کے مرثیہ میں نظم کئے ہیں صاحب
نسخ نے ان اشعار کو درج کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ:-

”مسعودی این اشعار را از
مسلم بن قتیبة مولی بنی ہاشم
داند۔“

ان میں سے ابتدائی دو شعر یہ ہیں:-

یا عین بکی بعبرة و عویل
واندبی ان ندبت آل الرسول

عین جودی بعبرة وعویل
واندبى ان بکیت ال الرسول
سته کلهم لصلب علی
قد اصبوا و سبعة لعقيل
اس میں تسعہ کے بجائے سبچہ ہے اور اس بناء پر آل
عقيل کی تعداد سات (۷) رہ جاتی ہے اور حضرت مسلم کے
نکل جانے کے بعد چھ (۶) ہی رہ جاتے ہیں۔

(۱۲۷) محمد بن عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالبؑ

یہ اور ان کے بھائی عونؑ دونوں حضرت زینبؑ کے
فرزند اور امام حسینؑ کے بھانجے مشہور ہیں مگر حقیقت یہ ہے
کہ ان کے بھائی عون جن کا تذکرہ بعد کو آئیگا وہ تو جناب
زینبؑ کے بطن سے تھے۔ لیکن یہ محمدؐ ان کے بطن سے نہ
تھے۔ ان کی والدہ کا نام تھا خوصاء بنت حفصہ بن ثقیف
بن ربیعہ بن عائد بن ثعلبہ بن عکایہ بن صعب بن علی بن
بکر بن وائل۔ خوصاء کی ماں تھیں ہند بنت سالم بن
عبد العزیز بن محروم بن سنان بن مولہ بن عامر بن مالک
بن تیم اللات بن ثعلبہ۔ اور ہند کی ماں تھیں میمونہ بنت
بشر بن عمر بن الحرث بن ذہل بن شیبان بن ثعلبہ۔^(۱)

جب امام حسینؑ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے ہیں اور
کوفہ کا قصد فرمایا ہے اس وقت عبد اللہ بن جعفر مدینہ ہی
میں تھے۔ ظاہری حالات کی بناء پر امام کا مدینہ سے جانا
اس خطرہ کی بناء پر تھا کہ وہاں کے حاکم کو یہ فرمان آچکا تھا
کہ اگر حسینؑ بیعت نہ کریں تو ان کا سر روانہ کیا جائے۔ اور
اب مکہ سے روانگی اسی اندیشہ کی بناء پر ہے کہ وہاں کچھ
لوگ حاجیوں کے لباس میں بھیجے گئے ہیں کہ جس طرح

(۱) البصار لعین، ص ۴۰

ممکن ہو حسینؑ کو قتل کر ڈالیں یا گرفتار کر کے شام کی سمت بھیج
دیں۔ عبد اللہ بن جعفر نے اس موقع پر اپنے مقدور بھریہ
بڑی خدمت انجام دی کہ وہ حاکم مدینہ عمرو بن سعید بن
العاصی کے پاس گئے اور اس سے گفتگو کر کے ایک امان کا
پروانہ امام حسینؑ کے لئے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس
کے بعد عونؑ و محمدؑ اپنے دونوں فرزندوں کے ہاتھ امام کے
نام حسب ذیل مکتوب روانہ کیا۔

”أما بعد فإني أسئلك بالله
لما أنصرفت حين تنظر في
كتابي فإني مشفق عليك من
الوجه الذي توجه له ان يكون
فيه هلاكك واستئسال اهل
بيتك ان هلكت اليوم طفئي
نور الارض فأنتك علم
المهتدين ورجاء المؤمنين فلا
تعجل بالسير فإني في اثر الكتاب
والسلام۔“

”میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ
آپ میرا خط دیکھتے ہی یہاں واپس آئیے
کیونکہ اس طرف جدھر آپ کا قصد ہے مجھے
آپ کی ہلاکت اور آپ کے اہلبیت کے تباہ
ہونے کا اندیشہ ہے اور اگر آپ دنیا سے اٹھ
گئے تو زمین کی روشنی رخصت ہو گئی
کیونکہ آپ طالبان ہدایت کے لئے نشان
راہ اور مومنین کی امیدوں کا مرکز ہیں۔ سفر
میں جلدی نہ کیجئے۔ میں خود بھی اسی خط کے

پیچھے آ رہا ہوں۔ والسلام۔“

عونؓ و محمدؓ یہ خط لے کر امام کی خدمت میں راستہ میں جا کر ملحق ہوئے۔^(۱)

عمرو بن سعید نے عبداللہ بن جعفر کے اصرار سے امان نامہ تحریر کیا اور اسے اپنے بھائی یحییٰ کے ساتھ عبداللہ کے پاس بھیجا۔ عبداللہ یحییٰ کے ساتھ اس تحریر کو لئے ہوئے مدینہ سے روانہ ہوئے اور جب امامؓ منزل ذات عرق پر پہنچے تو عبداللہ اور یحییٰ وہاں آ کر امامؓ سے ہمکلام ہوئے اور وہ تحریر امامؓ کے سامنے پیش کی۔ حضرت نے ان کی رائے سے اختلاف کیا اور فرمایا کہ مجھے اب یہاں قیام کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ اور عمرو بن سعید کے نام اس تحریر کا جواب لکھ کر ان کے سپرد کیا۔ عبداللہ کچھ مجبوریوں کی وجہ سے اس سفر میں ساتھ نہ جاسکتے تھے۔ انہوں نے عونؓ و محمدؓ کو حضرت کے ساتھ رہنے کی ہدایت کی اور خود مدینہ واپس گئے۔^(۲)

اسی لئے محمدؓ بن عبداللہ کے متعلق زیارت شہداء میں حسب ذیل الفاظ وارد ہوئے ہیں:-

”السلام علی محمد بن
عبداللہ بن جعفر الشاہد
مکان ابیہ والتالی لایہ
وواقیہ بیدنہ لعن اللہ قاتلہ
عامر بن نہشل التیمی۔“

اس میں محمدؓ بن عبداللہ بن جعفر کے لئے کہا گیا ہے۔ ”اپنے باپ کے قائم مقام“ اس کے معنی غالباً یہی ہیں کہ عبداللہ بن جعفر نے اپنے دونوں بیٹوں کو بحیثیت

قائم مقام کے حضرت کی نصرت کے لئے ساتھ کیا تھا۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ جب واقعہ کربلا کے حالات کی اطلاع مدینہ میں ہوئی اور امام حسینؓ کے ساتھ عونؓ و محمدؓ کی شہادت کی خبر بھی گئی، لوگ عبداللہ بن جعفر کے پاس تعزیت کے لئے آنے لگے۔ اس موقع پر ان کے غلام ابوالسلاص نے کہا کہ یہ نتیجہ ہے جو ہم کو حسینؓ کے ہاتھوں حاصل ہوا۔ عبداللہ نے اس غلام کو جوتا کھینچ کر مارا اور کہا! اوحرامزادے! تو حسینؓ کے لئے ایسا کہتا ہے۔ خدا کی قسم اگر میں ان کے ساتھ موجود ہوتا تو میں بھی اپنی جان نثار کرتا اور مجھے تو یہ سوچ کر تسلی ہوتی ہے کہ میرے دونوں فرزند میرے بھائی کے ساتھ کام آئے اور انھوں نے وفاداری اور استقلال کے فرض کو انجام دیا۔“ پھر آپ دوسرے حاضرین کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: ”شکر ہے اس خدا کا جس نے شہادت حسینؓ میں مجھے سرخ رو رکھا۔ اور اگر میں خود حسینؓ کی نصرت نہ بھی کر سکتا تو میں نے اپنے دونوں فرزندوں کے ساتھ ان کی مدد کی۔“

اس واقعہ کو شیخ مفید طاب ثراہ نے ارشاد میں درج کیا ہے۔^(۱)

ابن شہر آشوب نے عبدالرحمن بن عقیل کی شہادت کے بعد لکھا ہے کہ اس کے بعد محمد بن عبداللہ بن جعفر رجز پڑھتے ہوئے میدان میں آئے اور انھوں نے دس آدمی فوج دشمن میں سے قتل کئے۔ ان کو عامر بن نہشل نے قتل کیا۔^(۲) صاحب ’ناسخ‘ نے احمد بن محمد بن عقیل کے بعد لکھا ہے:-

(۱) تنقیح المقال، ج ۱ ص ۱۳۸ (۲) مناقب، ج ۳ ص ۹۶

(۱) طبری، ج ۶ ص ۲۱۹ (۲) البصار لعین، ص ۳۹

”آں وقت نوبت باولاد جعفر
طیار رضوان اللہ علیہ افتاد
نخستیں محمد بن عبد اللہ بن
جعفر بود کہ آہنگ مفارقت
کرد۔“

طبری نے صرف اتنا لکھا ہے کہ ”عامر بن نہشل تمیمی
نے محمد بن عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب پر حملہ کیا اور انہیں
قتل کر ڈالا۔“^(۱)

زیارت شہداء کے جو الفاظ شروع میں درج کئے
گئے ہیں ان میں یہ فقرہ خاص توجہ کا مستحق ہے:-

”الشاهد لِمکان ابیہ
والتالی لاخیه وواقیہ ببندہ۔“

اس کے پہلے جزو کی شرح پہلے درج ہو چکی ہے۔
بے شک وہ نصرت حسینؑ میں اپنے باپ کے قائم مقام تھے
مگر دوسرا جزو اس میں (لاخیه) کی ضمیر اگر (ابیہ) کی
طرف راجع ہو تو کوئی خاص بات پیدا نہیں ہوتی۔ مطلب
یہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے باپ کی قائم مقامی کی اور ان
کے بھائی (یعنی امام حسینؑ) کی پیروی کی اور اپنے جسم کو ان
پر فدا کیا۔ لیکن اگر یہ ضمیر خود ان کی طرف راجع ہو تو معنی یہ
ہوں گے کہ ”اپنے بھائی کی پیروی کرنے والے اور اپنے
جسم کو ان کی سپر قرار دینے والے۔“

اس صورت میں یہ ایک مخصوص چیز ہے جو کسی واقعہ کا
پتہ دیتی ہے۔

میر انیسؒ اور ان کے خاندان کے لوگوں نے اپنے

(۱) تاریخ طبری، ج ۶ ص ۲۵۶

مرثیوں میں عونؑ و محمدؑ کا ایک ساتھ میدان جنگ میں جانا
تحریر کیا ہے اور عونؑ کو محمدؑ سے بڑا بتلایا ہے۔

اس فقرہ کا مضمون اسی مرثیہ کی روایت پر منطبق ہوتا
ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عونؑ میدان جنگ میں گئے اور ان
کے پیچھے پیچھے محمدؑ گئے اور جنگ میں وہ اپنے بھائی کی
حفاظت کرتے رہے یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے اور ان
کے بعد عونؑ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ مگر میرے زیر
نظر تمام ماخذ اس روایت سے خالی ہیں۔

سلیمان بن قتہ کے اس قصیدہ میں جس کے دو شعر
اولاد عقیل کی تعداد کے باب میں پہلے نقل ہو چکے ہیں اور
جسے صاحب ’ناسخ‘ نے سراقہ باہلی یا مسلم بن قتیبہ کی
طرف منسوب کیا ہے، عونؑ و محمدؑ کی شہادت کا خصوصیت کے
ساتھ ان الفاظ میں ذکر ہے:-

واندبی ان ندبت عوناً اخاهم
لیس فیما ینوبہم بخذول
وسمى النبی غودر فیہم
قد علوہ بصارم مصقول
اور اگر رونا ہے تو ان کے بھائی عون کو
رو جو بڑے ثابت قدم اور وفادار تھے اور
رسول کے ہم نام (محمدؑ) وہ بھی میدان جنگ
میں شہید ہوئے اور ان پر صیقل شدہ تلوار کی
ضرب لگائی گئی۔

گذشتہ روایات کی بناء پر جو آپ کے سامنے محمدؑ
کی شہادت کے بارے میں پیش ہوئی ہیں اور جو عونؑ کے
حالات میں آپ کے سامنے آئیں گی کسی طرح یہ پتہ نہیں
چلتا کہ عونؑ و محمدؑ کس تھے۔ مگر مرثیہ گو شعراء نے انہیں بچہ

ہی قرار دیا ہے۔

علامہ کثوری نے اپنی کتاب 'مائیں فی مقتل الحسين' (۱) میں واقعہ کربلا کے خصائص میں لکھا ہے:-

”قد شرح الجہاد فی واقعته

علی الصبیان مثل عون و

محمد وغیرہم بل علی

الاصاغر کعبدا اللہ بن الحسن

روحی له الفداء۔“

”اس واقعہ میں جہاد بچوں تک پر

واجب تھا جیسے عونؓ و محمدؓ وغیرہ بلکہ ان سے

بھی کم سن کے بچوں پر جیسے عبداللہ بن

الحسن۔“

یہاں عونؓ و محمدؓ کو بچہ کہا گیا ہے مگر عبداللہ بن الحسن کو

ان سے بھی کم سن کا بچہ۔

اب چونکہ عبداللہ امام حسنؓ کے فرزند ہیں اور امام

حسنؓ کی وفات سے واقعہ کربلا تک دس (۱۰) برس یقینی

ہیں لہذا عبداللہ کی اس سے کم عمر نہیں ہو سکتی اور عونؓ و محمدؓ کا

سن چونکہ ان سے زیادہ بتلایا گیا ہے۔ لہذا وہ گیارہ اور

چودہ برس کے درمیان میں قرار پائیں گے مگر میرے خیال

میں یہ بیان کسی تاریخی شہادت پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ اسی

شہرت کا نتیجہ ہے جو عونؓ و محمدؓ کے سن کے متعلق عام طور سے

مرثیہ گوئیوں کے درمیان پائی جاتی ہے۔

(۱۲۸) عونؓ بن عبداللہ بن جعفر

حضرت زینبؓ بنت علیؓ کے فرزند تھے۔ اس

لئے یہ امام حسینؓ کے چچا زاد بھائی کے فرزند ہونے کے

(۱) مائیں فی مقتل حسین، ج ۱ ص ۲۲۲

علاوہ آپ کے بھانجے بھی تھے۔

جس طرح عوام کی وہ شہرت کہ عونؓ و محمدؓ دونوں

جناب زینبؓ کے فرزند تھے درست نہیں ہے، اسی طرح

بعض خواص کا یہ خیال کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی

جناب زینبؓ کے بطن سے نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ کثوری

’مائیں‘ ج ۱ ص ۲۲۳ میں لکھتے ہیں:

”امّا عون و جعفر فہما لیسا

من ابناء زینب بل فوضہما

ابوہما و هو عبداللہ بن جعفر

زوج زینب لیفدیہما علی اخیہما

کہا علیہ الاصحاب و امّا علیؓ ن

الزینبی فلسست ادری الی یوحی

هذا انه ما عاقه عن المسیر

معہا فی سفر العراق۔“

”عون و جعفر یہ دونوں جناب زینبؓ

کے فرزند نہیں ہیں بلکہ ان کو ان کے والد

بزرگوار نے اور وہ عبداللہ بن جعفر جناب

زینبؓ کے شوہر تھے سپرد کیا تھا تا کہ وہ ان

کے بھائی پر فدا ہوں۔ جیسا کہ ہمارے علماء

کا خیال ہے۔ رہ گئے علی زینبی (جو جناب

زینبؓ کے بطن سے تھے) تو اب تک میں

نہیں سمجھ سکا ہوں کہ وہ کس وجہ سے جناب

زینبؓ کے ساتھ اس سفر میں نہ جاسکے

تھے۔“

اس میں ایک تو دھوکا ناموں میں ہوا ہے کہ ”عون و

محمدؓ کو عون و جعفر“ لکھا گیا ہے۔ حالانکہ اس کے قبل جو

عبارت درج ہو چکی ہے اس میں خود 'ماتیں' (ج ۱ ص ۲۲۲) میں عون و محمد مذکور ہے۔ اس کے علاوہ علماء کی طرف جو نسبت دی گئی ہے وہ درست نہیں ہے۔ چنانچہ ابوالفرج اصفہانی نے 'مقاتل الطالبین' میں لکھا ہے:-

”عون بن عبد اللہ بن جعفر بن
ابی طالب وامہ زینب العقیلة
بنت علی بن ابی طالب وامها
فاطمة بنت رسول اللہ۔“

علامہ مامغانی نے محمد بن عبد اللہ بن جعفر کے ذکر میں لکھا ہے:-

”ان بعض الفضلاء زعم ان
محمدا امه زینب بنت علی امیر
المومنین وهو مما یأبی عنه
التأریخ انما ابنها عون۔“
”بعض فضلاء نے خیال کیا ہے کہ محمد کی
والدہ زینب دختر امیر المومنین تھیں، یہ تاریخ
کے خلاف ہے۔ جناب زینب کے فرزند تو
بس عون تھے۔“

مؤلف 'البصار العین' اور علامہ سید محسن عالی مصنف
'ایمان الشیعہ' بھی اسی کے مؤید ہیں۔ اس لئے اس میں
شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

ابن شہر آشوب نے عون بن عبد اللہ بن جعفر کی جنگ
ان کے بھائی محمد کے بعد لکھی ہے اور لکھا ہے کہ ان کو عبد اللہ
بن قطبہ طائی نے قتل کیا۔ زیارت شہداء میں ان کے قاتل
کا نام عبد اللہ بن قطبہ النہمانی لکھا ہے۔
صاحب 'ناسخ' لکھتے ہیں:-

”بدست عبد اللہ بن بطہ
الطائی شہید شد و بعضی قاتل
او را عبد اللہ بن قطنۃ النہمانی
دانند“

مگر یہ اختلاف جسے صاحب 'ناسخ' نے دکھلایا ہے کوئی
چیز نہیں ہے۔ نہمان خود قبیلہ طے کی شاخ ہے۔ اس لئے جو
نہمانی ہوگا اسے طائی کہنا درست ہوگا۔

رہ گیا نام تو ظاہر ہے کہ صاحب 'ناسخ' نے اس میں
دھوکا کھایا ہے وہ 'عبد اللہ بن قطبہ' کی لفظ ہے جسے انہوں
نے عبد اللہ بن بطہ اور عبد اللہ بن قطنہ درج کیا ہے۔ طبری
نے لکھا ہے:-

”حمل عبد اللہ بن قطبہ
الطائی ثم النہمانی علی عون
بن عبد اللہ بن جعفر فقتله۔“
”یعنی عبد اللہ بن قطبہ طائی نہمانی نے
عون بن عبد اللہ بن جعفر پر حملہ کیا اور انھیں
قتل کر ڈالا۔“

(۱۲۹) عبید اللہ بن عبد اللہ بن جعفر

ابن شہر آشوب نے عون بن عبد اللہ کے بعد لکھا ہے:

”وروی ان عبید اللہ بن
عبد اللہ اخاہ قتله بشر بن
خویط القابضی۔“

”کہا گیا ہے کہ عبید اللہ بن عبد اللہ ان کے بھائی کو
بشر بن خویط قابضی نے قتل کیا۔“^(۱)

(۱) مناقب، ج ۳ ص ۹۶

پھر ان شہدائے کربلا کی فہرست میں جو خاندان بنی ہاشم سے تھے لکھا ہے کہ تین فرزند جعفر کے تھے محمد بن عبداللہ بن جعفر اور عون الاکبر بن عبداللہ اور عبید اللہ بن عبداللہ۔^(۱)

صاحبِ نسخ، بھی لکھتے ہیں:-

”عبید اللہ بن عبداللہ بن جعفر
نیز جماعتی گویند در یوم طف
ملازمت خدمت حسین علیہ
السلام را داشت۔ و در ان واقعہ
شہادت یافت۔“^(۲)

علامہ مامغانی نے لکھا ہے کہ ان کی والدہ خواصاء بنت حفصہ بن ثقیف قبیلہ بنی بکر بن وائل سے تھیں۔ اور وہ کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے۔^(۳)

علامہ سید محسن شامی نے بھی ان کا نام شہدائے بنی ہاشم کی فہرست میں درج کیا ہے۔^(۴)

پھر بھی میں ان بیانات سے مطمئن نہیں ہوں اس لئے کہ زیارت شہداء اور دوسرے معتبر ماخذ ان کے ذکر سے خالی ہیں۔

بعض کتب میں عون و محمد فرزند ان جعفر کی شہادت بھی کربلا میں مذکور ہے مگر جیسا کہ میں نے ”مخار بہ کربلا“ ص ۹۷ پر لکھا ہے، یہ درست نہیں ہے محمد بن جعفر جنگ صفین میں شہید ہوئے تھے۔ اور عون اس کے بھی بہت پہلے قتل ہو چکے تھے۔ کربلا میں جو عون و محمد قتل ہوئے ہیں وہ عبداللہ بن جعفر کے فرزند ہیں اور جعفر کے پوتے ہیں۔

(۱) مناقب، ج ۳ ص ۹۹ (۲) نسخ التواریخ، ج ۶ ص ۲۸۱

(۳) تنقیح المقال، ج ۲ ص ۲۳۹ (۴) اعیان الشیعہ، ج ۴ ص ۵۱

(۱۳۰) قاسم بن محمد بن جعفر

علامہ مامغانی نے تنقیح المقال^(۱) میں ان کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان کی والدہ ام ولد تھیں۔ یہ اپنے چچا زاد بھائی امام حسینؑ کے ساتھ رہے اور کبھی آپ سے جدا نہیں ہوئے۔ عبداللہ بن جعفر کی صاحبزادی ام کلثوم الصغریٰ جو جناب زینبؑ کے بطن سے تھیں اور جن کے ساتھ معاویہ نے اپنے فرزند یزید کا پیغام دیا تھا اور اس کا ایک طولانی قصہ ہے جو اپنے محل پر مذکور ہے، ان ام کلثوم کے ساتھ امام حسینؑ نے قاسم کا عقد کر دیا تھا۔ قاسم اپنی زوجہ کے ساتھ واقعہ کربلا میں موجود تھے۔ عون بن جعفر کی شہادت کے بعد میدان جنگ میں آئے اور بہت سے لوگوں کو قتل کرنے کے بعد شہید ہوئے۔

اس روایت کے تمام اجزاء میرے نزدیک نوادر میں سے ہیں اور سوائے اس کتاب کے میری نظر سے کہیں نہیں گزرے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کا اصلی ماخذ کیا ہے اور وہ کہاں تک درست ہے؟

(۱۳۱) عبداللہ بن ابی سفیان بن

الحارث بن عبدالمطلب

ان کی کنیت ابو لہیا ج ہے اور ان کی والدہ کا نام نسمة بنت ہمام بن الارقم الاسدیہ ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے کتاب ’اصابہ فی معرفۃ الصحابہ‘^(۲) میں ان کے حالات درج کئے ہیں اور لکھا ہے کہ بغوی نے ان کو اصحاب رسول میں ذکر کیا ہے اور واقدی نے ”مقتل حسین“ میں لکھا ہے کہ

(۱) تنقیح المقال، ج ۳ ص ۲۴ (۲) اصابہ، ج ۱ ص ۳۲۰

ابوالہیاج حسین کے ساتھ قتل ہوئے۔ علامہ سید علی خاں مدنی نے بھی کتاب 'الدرجات الرفیعة فی طبقات الشیعة' میں واقدی کا یہ قول نقل کیا ہے۔ اور علامہ سید محسن عالمی نے 'اعیان الشیعة' (۱) میں بھی واقدی ہی کا حوالہ دیا ہے۔

بہر حال اس کی سند صرف واقدی کا قول ہے بے شک واقدی بہت بڑا مورخ ہے۔ لیکن اس صورت میں کہ جب تمام دوسری تاریخیں اور مقاتل اس سے خالی ہیں، تو صرف واقدی کے بیان پر قطعی فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے۔ اگر یہ واقعہ ہو کہ عبداللہ بن ابی سفیان کربلا میں شہید ہوئے ہیں تو یہ اس حیثیت سے بھی ایک نادر چیز ہے کہ واقعہ کربلا میں جہاں تک دیکھا جاتا ہے، بنی ہاشم جتنے تھے تمام ابوطالب کی اولاد تھے۔ اور بنی ہاشم کے دوسرے گھرانوں میں سے کوئی فرد موجود نہ تھی لیکن یہ صرف عبداللہ بن ابی سفیان کی خصوصیت سمجھی جائے گی کہ وہ اولاد حارث بن عبدالمطلب سے تھے اور اس واقعہ میں شہید ہوئے۔

(۱۳۲) عبداللہ بن الحسن بن علی بن ابی طالب ابن شہر آشوب نے اولاد عقیل وجعفر کی شہادت کے بعد لکھا ہے کہ ان کے بعد عبداللہ بن الحسن میدان جنگ میں گئے اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:-

ان تنکرونی فانا فرع الحسن
سبط النبی المصطفیٰ والمؤمن
هذا حسین کالاسیر لمرتبہن

(۱) اعیان الشیعة، ج ۱ ص ۲۶۳

بین اناس لا سقوا صوب المزن
انہوں نے چودہ (۱۴) آدمی قتل کئے اور آخر ہانی بن ثبیت حضرمی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔
دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ امام حسنؑ کے چار فرزند کربلا میں شہید ہوئے۔ ان میں سے ایک عبداللہ تھے۔
صاحب 'ناسخ' نے عبداللہ کی شہادت جناب قاسم کے بعد درج کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

”بعد از وے عبداللہ اکبر بن حسن بمیدان آمد و او مکنی بابی بکربود ایں رجزوہ قرائت کرد:-
ان تنکرونی فانا ابن حیدرہ
ضرغام اجام ولیث قسورہ
علی الاعادی مثل ریخ صرصرہ
اکیلکم بالسیف کیل السندرة
”وحملہ افگند و رزمی صعب
داد و چہار دہ تن از فرسان سپاہ را
بضرب سیف و سنان تباہ ساخت
ناگاہ مردی کہ او را ہانی بن شبیث حضرمی نامند مغافصۃ
بروی قباح و او را مقتول ساخت۔“

عبداللہ کے نام کے ساتھ اکبر کی لفظ اس لئے ہے کہ عبداللہ بن الحسن ایک کمسن بچہ کی شہادت تمام شہداء کے بعد اس وقت نقل ہوئی ہے کہ جب سید الشہداء زخموں سے چور ہو کر زمیں پر تشریف لا چکے تھے۔

اسی لئے صاحب 'ناسخ' نے عبداللہ اکبر کے حال کے آخر میں لکھا ہے:

”و شرح شہادت عبداللہ
اصغر را ہنگام شہادت امام
حسین علیہ السلام مرقوم
خواہیم داشت۔“

صاحب 'ناسخ' نے لکھا ہے کہ عبداللہ اکبر جن کا ذکر یہاں ہو رہا ہے قاسم سے زیادہ عمر رکھتے تھے۔ مگر سلسلہ شہداء میں قاسم کے بعد شہید ہوئے۔

ابن شہر آشوب کی روایت اس کے خلاف ہے۔ انہوں نے اولاد امام حسنؑ میں عبداللہ کو سب سے پہلا مقتول قرار دیا ہے۔

'ابصار العین فی انصار الحسینؑ' میں عبداللہ بن الحسنؑ کے زیر عنوان اس کمسن بچے کا تذکرہ ہے جو شہادت امام حسینؑ کے موقع پر شہید ہوا ہے۔ مگر عبداللہ اکبر کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ نیز دوسرے معتبر ماخذ بھی خالی ہیں اور زیارت شہداء میں بھی کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

مناقب ابن شہر آشوب میں عبداللہ کی جو رجز مذکور ہوئی ہے وہ وہی ہے کہ جو جناب قاسم کے حالات میں درج ہوگی۔ صاحب ناسخ نے عبداللہ کی رجز دوسری لکھی ہے مگر وہ امیر المومنینؑ کی جنگ خیبر والی رجز ہی میں تھوڑے سے تصرف کے ساتھ تیار ہوئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بنائی ہوئی چیز ہے۔

(۱۳۳) قاسم بن الحسنؑ

اس شہید کو گونا گوں خصوصیات کی وجہ سے واقعہ کربلا میں خاص اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔

قاسم کی والدہ کے متعلق میرے زیر نظر کتابوں میں کوئی خاص تفصیل نہیں ہے۔ ابن شہر آشوب نے امام حسنؑ کی اولاد کے بیان میں لکھا ہے: عبداللہ و عمر والقاسم امہم ام ولد۔^(۱)

علامہ سید محسن عاملی کے بھی الفاظ یہی ہیں۔^(۲) 'ابصار العین' میں پہلے ابوبکر بن الحسنؑ کا ذکر ہے اور ان کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی والدہ ام ولد تھیں، پھر جناب قاسم کے حال میں لکھا ہے کہ وہ اور ابوبکر بن الحسنؑ ایک ہی ماں کے بطن سے تھے اور کہا جاتا ہے کہ ان کا نام رملہ تھا۔^(۳)

عام طور سے جو جناب قاسم کی ماں کا نام ام فروہ مشہور ہے اس کا کوئی ثبوت میری نظر سے نہیں گذرا۔

سن

جناب قاسم کی کمسنی کے متعلق بہت سی روایتیں مشہور ہیں جن سے مجموعی طور پر یہ نتیجہ یقیناً نکلتا ہے کہ وہ تمام دوسرے میدان جنگ میں جا کر لڑنے والے شہیدوں میں کمسن تھے۔

طبری کی روایت میں ہے:

”خرج الینا غلام کان
وجہہ شقة قمر فی یدہ السیف
علیہ قمیص وازار و نعلان قد
انقطع شسع احدہما ما انسل
انہا الیسری۔“

(۲) اعیان الشیعہ، ج ۴ ص ۲۴۰

(۱) مناقب، ج ۳ ص ۵۸

(۳) ابصار العین، ص ۳۶

(راوی کہتا ہے کہ)

ایک لڑکا فوج حسینی سے ہماری طرف
متوجہ ہوا کہ گویا اس کا چہرہ چاند کا ٹکڑا تھا۔
اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ اور وہ ایک قمیص
ایک پاجامہ اور دو جوتیاں پہنے تھا۔ جن میں
سے ایک کا تسمہ ٹوٹا ہوا تھا اور مجھے خوب یاد
ہے کہ وہ بائیں طرف والی تھی۔

اس میں ”غلام“ کی لفظ اگرچہ نابالغی کی دلیل نہیں
ہے کیونکہ مجازاً یہ لفظ جوانی کے حدود تک بولی جاتی ہے۔
چنانچہ یہی لفظ جناب علی اکبر کی نسبت وارد ہوئی ہے۔ مگر یہ
شان کہ کرتہ اور پاجامہ پہنے ہوئے اور جوتی کا تسمہ ٹوٹا ہوا،
کمنی کا پتہ ضرور دیتی ہے۔ یہ قابل توجہ امر ہے کہ تمام
دوسرے شہید اسلحہ حرب سے آراستہ تھے لیکن قاسمؑ کے
جسم پر جنگ کا لباس نہ تھا۔

اس سلسلہ میں حضرت بحر العلوم جناب علن صاحب
قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ کی یہ توجیہ مشہور ہے اور یاد رکھنے کے
قابل ہے کہ معلوم ہوتا ہے عرب میں اس سن کے بچوں کی
زرہ طیار ہی نہ ہوتی تھی اور اس لئے قاسمؑ اسی معمولی لباس
میں تھے جو بچوں کا عموماً ہوتا ہے۔

’بجاء وغیرہ میں جناب قاسم کی نسبت ہے: ہو
غلام لم يبلغ الحلم۔‘

”وہ بچہ تھے اور سن بلوغ تک نہ پہنچے تھے۔“
صاحب ’ناسخ‘ لکھتے ہیں:-

”قاسم باتفاق علمائے سیر
حدود تکلیف را مالک و مشرف

نبود اگر چه من بنده این خبر را
استوار نمی دارم لکن در تقویت
خرد سالی قاسم می نگارم کی در
تذکرہ الائمہ مسطور است کہ
قاسم در یوم طفنہ ۹ سالہ بود۔“

یہ نو سال کی عمر کی روایت تو بہر حال درست
نہیں ہے۔ اس لئے کہ امام حسنؑ کی وفات سے واقعہ کربلا
تک دس برس کی مدت ہے اس لئے امام حسنؑ کے کسی فرزند
کی عمر اس سے کم نہیں ہو سکتی۔ پھر اگر عبداللہ بن حسنؑ کی
شہادت کو جس کا تذکرہ بعد میں آئے گا، امام حسینؑ کے
گھوڑے سے زمین پر تشریف لانے کے بعد تسلیم کیا
جائے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ عبداللہ سب میں کم سن تھے
اور قاسمؑ کا سن ان سے یقیناً زیادہ تھا تو قاسمؑ کی عمر کم از کم
بارہ برس کی ضرور ہوگی۔ بہر حال موقع جنگ کے لحاظ سے
یہ عمر بھی کم ہے اور اس عمر پر تمام ان روایات کا انطباق ہو
سکتا ہے جو قاسمؑ کی کمنی کے متعلق بیان کی جاتی ہیں۔

امام حسنؑ کی وصیت

شرع میں وصیت کرنا مستحب ہے لیکن وصیت
کے قبول کے بعد اس پر عمل کرنا دوسرے شخص پر واجب
ہے امام حسنؑ اور امام حسینؑ ان دونوں بھائیوں میں آپس
میں وہ محبت تھی جو تمام دنیا کے بھائیوں کے لئے ایک کامل
نمونہ ہے۔ والدین کی محبت کا بہت بڑا نتیجہ اولاد کی باہمی
شادی کا ہونا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے ”مخار بہ کربلا“
ص ۶۷ میں لکھا ہے، بہر حال شادی کے لئے جس طرح کی
بھی اخلاقی و روحانی خصوصیتوں کی ضرورت ہے وہ ایک

امام کے فرزند کے واسطے ایک امام کی دختر سے زیادہ نہیں
مجمع ہو سکتے۔

اسی لحاظ سے امام حسنؑ نے آخری وقت اپنے
چھوٹے بھائی امام حسینؑ سے یہ وصیت کی تھی کہ ان کے
بڑے فرزند حسنؑ کی بیٹی کے ساتھ
اور ان کے چھوٹے فرزند قاسمؑ کا عقد ان کی چھوٹی بیٹی کے
ساتھ کیا جائے۔

امام حسینؑ نے بھی اپنے بھائی کی اس آخری وصیت کو
منظور کر لیا تھا اور اس طرح یہ وصیات ان کے لئے نافذ اور
واجب العمل ہو گئی تھی۔

اس وصیت کا پہلا جزو بالکل متفق علیہ ہے۔ صاحب
ناسخ بھی لکھتے ہیں کہ حسنؑ کی شادی حضرت امام حسینؑ
نے اپنی صاحبزادی کے ساتھ حسن مجتبیٰ کی وصیت کے
مطابق مدینہ میں کر دی تھی مگر دوسرے جزو کے متعلق
اختلاف کیا جاتا ہے حالانکہ درایت وہ اسی طرح قابل قبول
ہے جس طرح پہلا جزو تسلیم کیا جاتا ہے۔

اس وصیت کے متعلق جو کچھ بھی عقلی شکوک ہو سکتے ہیں
ان کا دفعیہ میں نے ’محاربہ کربلا‘ میں تفصیل کے ساتھ کر دیا
ہے۔

حضرت امام حسنؑ نے ایک وصیت قاسمؑ کو بھی کی تھی
اور چونکہ قاسمؑ اس وقت بہت کم سن تھے اس لئے زبانی
کہنے کے بجائے آپ نے تعویذ باندھ کر قاسمؑ کے بازو پر
باندھ دیا تھا تا کہ قاسمؑ کی والدہ اس کے بعد قاسمؑ کو
بتلائیں کہ اس تعویذ کا منشا کیا ہے۔ اس تعویذ میں یہ تھا کہ
جب واقعہ کربلا درپیش ہوا اور تمہارے چچا پر مصیبت کا

وقت پیش آئے تو اپنی جان پر نثار کرنا۔

میرے دوست نیاز فتحپوری نے جو ملک کے مقرر
رسالہ ’نگار‘ کے مدیر ہیں، میرے رسالہ ’محاربہ کربلا‘ پر تبصرہ
کرتے ہوئے اس جزو پر خاص توجہ کی ہے۔ اور انہوں
نے تعریضاً لکھا ہے کہ اس رسالہ میں معجزات و کرامات کا
بھی تذکرہ ہے۔

مجھے اس کے تسلیم کرنے میں عذر نہیں ہے کہ محترم
مدیر نگار کے مسلک پر جو وہ الہیات و نبوات کے سلسلہ
میں اختیار کئے ہوئے ہیں اور جن کی بناء پر معجزات و اخبار
غیبیہ کے لئے کوئی جگہ باقی نہیں رہتی، یہ روایت یقیناً قابل
قبول نہیں ہے۔ مگر میں کہ جو اپنے محترم دوست کے ساتھ
اس مسلک میں متفق نہیں ہوں، کیسے مجبور کیا جاسکتا ہوں کہ
میں واقعات کو ان ہی کے زاویہ نگاہ کی عینک لگا کر
دیکھوں۔

میں سمجھتا ہوں کہ پیغمبر اسلامؐ کی زبانی بہت سے
واقعات اور بالخصوص واقعہ کربلا کی پیشین گوئی کا ہونا ایک
ایسی مسلمہ روایت ہے جو اعتقادات سے گزر کر تاریخی
حقائق کے حدود میں آگئی ہے۔ اور اس لئے واقعہ کربلا کے
متعلق کوئی اس طرح کی پیش بندی ہرگز واقعہ کے خلاف
نہیں سمجھی جاسکتی۔

طلب رخصت

روز عاشور جب اعزائے امامؑ کی باری آپ کی تھی اور
اولاد عقیل و جعفر قتل ہو چکے۔ اب امام حسنؑ کی اولاد کی باری
آئی۔ ابن شہر آشوب کی روایت کی بنا پر قاسمؑ کے بڑے
بھائی عبداللہؑ بھی شہید ہو چکے تو قاسمؑ خدمت امامؑ میں حاضر

وصیت پر عمل کرو مگر مجھے بھی تو بھائی کی ایک وصیت ہے اس کو مجھے پورا کرنا چاہئے۔“

یہ فرما کر قاسم کا ہاتھ پکڑا اور خیمہ کے اندر لائے۔ تبرکات کے صندوق میں سے بزرگوں کا لباس نکالا اور وہ قاسم کو پہنا کر اپنی اس صاحبزادی کا جو قاسم کو منسوب تھیں عقد قاسم کے ساتھ پڑھ دیا۔“

اس واقعہ کو اتنے کثیر التعداد علماء نے لکھا ہے جن کے متعلق شبہہ بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ ایک غلط اور بے اصل واقعہ کو اپنی کتابوں میں درج کریں گے۔

اس سلسلہ میں عام طور پر جو شکوک پیش کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جناب امام حسینؑ کے صرف دو صاحبزادیاں تھیں ایک کی شادی حسن مثنیٰ کے ساتھ ہو چکی تھی اور ایک کمسن تھیں۔ اب وہ کون صاحبزادی تھیں جن کے ساتھ قاسم کا عقد ہو سکے۔

مگر معلوم ہونا چاہئے کہ اکثر محققین کے قول کے مطابق امام کی چار صاحبزادیاں تھیں جن میں سے ایک مدینہ میں چھوڑ دی گئی تھیں اور تین آپ کے ساتھ موجود تھیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس واقعہ کی ابتدا ملا حسین واعظ کا شفی سے ہوئی ہے جنہوں نے ’روضۃ الشہداء‘ میں اس واقعہ کو درج کیا ہے اور ان کے علاوہ کسی مصنف نے نہیں لکھا ہے۔ مگر جب علامہ فخر الدین طریحی اور علامہ سید ہاشم بحرینی کی مندرجہ روایت کا روضۃ الشہداء کی روایت سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کے بہت سے جزو روضۃ الشہداء سے مختلف ہیں جس کی بناء پر یقین ہو

ہوئے اور اجازت جہاد طلب کی۔ تاریخ گواہ ہے کہ علی اکبرؑ کو میدان جنگ بھیجنے میں امامؑ کی جانب سے ذرا بھی توقف نہیں ہوا لیکن قاسمؑ کی اجازت پر امامؑ نے اس درجہ تاہل فرمایا کہ ظاہری اسباب سے قاسمؑ کو مایوسی ہو گئی اور وہ محزون و مغموم ہو کر خیمہ کے ایک گوشہ میں بیٹھ گئے مگر امامؑ حسنؑ کے ہاتھ کا ایک تعویذ جو بازو پر بطور وصیت نامہ کے بندھا تھا اسے کھول کر پڑھنے کا خیال آگیا دل کو ڈھارس ہوئی اس میں آج ہی کے دن کی پیشینگوئی تھی اور قاسمؑ کو اپنی جان نثار کرنے کی ہدایت تھی۔

قاسمؑ کو اس سے بڑی تقویت حاصل ہوئی اور انہوں نے اسی کو اپنے چچا کی خدمت میں بطور سفارش اجازت پیش کیا جس کے بعد امام کو یقین ہو گیا کہ اب قاسمؑ رک نہیں سکتے۔

عقد

آپ سن چکے ہیں کہ امام حسنؑ نے اپنے بھائی امام حسینؑ کو کیا وصیت کی تھی۔ اب تک قاسمؑ کی کمسنی کی وجہ سے ظاہری اسباب کی بناء پر اس وصیت کے نفاذ کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی لیکن اب اس وقت جبکہ قاسمؑ دنیا سے رخصت ہونے کے لئے آمادہ ہیں تو ظاہری اسباب کے لحاظ سے اس وصیت کے نفاذ کا وقت مضیق ہو گیا ہے جو امام حسنؑ نے اپنے بھائی کو کی تھی۔

اگر امامؑ اس وقت اس کی تکمیل نہ کریں تو ایک بہت بڑا اسلامی فرض تشنہ عمل رہ جائے۔ اس لئے امامؑ نے اس تعویذ کو دیکھنے کے بعد اب قاسمؑ کو روکنے کا تو محل نہ پایا لیکن آبدیدہ ہو کر یہ فرمایا کہ ”اچھا تم اپنے والد بزرگوار کی

جاتا ہے کہ ان کا ماخذ روضۃ الشہداء نہیں ہے۔

اس بحث کو ہمارے بھائی مولانا آغا مہدی صاحب نے اپنی کتاب ’عبارۃ الانوار‘ میں جو مستقل اسی موضوع پر کئی سو صفحے میں لکھی ہے تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ عاشور کا قیامت خیز دن شادی کا نہ تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے ذہن میں شادی کا تصور ’ہندوستانی‘ ہے۔ اسلام میں عقد نکاح کوئی رسمی تقریب نہیں ہے جس میں کسی جشن کی ضرورت ہو اور عیش و عشرت کے ہنگامہ کا انتظار ہو۔

شادی ایک آئینی رشتہ ہے جو شرعی قانون کے تحت میں قائم ہوتا ہے اور امام حسینؑ کے لئے وہ اس وقت ایک فرض کی حیثیت رکھتا تھا جسے ادا کرنا ضروری تھا۔

یہ عقد کوئی تقریب خوشی کی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ اس نے حقیقتاً مصیبت کی عظمت اور اس کی ندرت میں اضافہ کر دیا تھا۔

میں نے جیسا کہ ’محاربہ کربلا‘ میں لکھا ہے یہ عوام کی غلطی اور لفظوں کی کوتاہی ہے کہ وہ قاسمؑ کو ایک شب کا داماد اور فاطمہ کبریٰ کو ایک شب کی دولہن کہیں اور اسے تکیہ کلام بنالیں حالانکہ حقیقتاً وہ چند لمحوں کا رشتہ تھا جو دنیا میں موت کے ہاتھوں قطع ہو گیا۔

قاسمؑ کو شہادت کا شوق تھا۔ اس لئے وہ دیر تک ٹھہر نہیں سکتے تھے۔ سب سے رخصت ہوئے اور عروس سے بھی رخصت ہوئے۔ میں نے اس موقع پر قاسمؑ کے دلی احساسات کی ترجمانی ’محاربہ کربلا‘ میں تفصیل کے ساتھ کی ہے۔ اگر اس موقع کی اہمیت کا احساس کرنا ہو تو اس کتاب

کا مطالعہ فرمائیے۔ قاسمؑ سب سے رخصت ہو کر خیمہ کے باہر چچا کی خدمت میں گئے کہ اب تو کوئی انتظار نہیں رہا۔ اب تو مجھ کو اجازت جہاد دیجئے۔ امامؑ نے اس وقت (شاید بھائی کو یاد کر کے) بہت گریہ فرمایا۔ قاسمؑ کے عمامہ کو اپنے ہاتھ سے باندھا اور اس کے دونوں گوشے سینہ پر لٹکا دیئے۔ ان کے پیراہن کو بصورت کفن چاک کر دیا۔

جنگ

قاسم میدان جنگ میں آئے اور یہ رجز پڑھا:-

ان تنکرونی فانا ابن الحسن
سبط النبی المصطفیٰ والمؤمن
هذا حسین کالاسیر المرتہن
بین اناس لا سقوا صوب المزن

”اگر تم مجھے نہیں جانتے ہو تو اب معلوم

کر لو کہ میں حسنؑ کا فرزند ہوں اور پیغمبرؐ کی

اولاد میں ہوں۔ کیا غضب کی بات ہے کہ

یہ حسین تمہارے درمیان مثل قیدی کے

محصور ہو گئے ہیں۔ خدا کرے ابر باراں

اس جماعت کو کبھی سیراب نہ کرے۔“

قاسمؑ نے اپنی کمسنی کے لحاظ سے غیر معمولی خوریز

جنگ کی۔

شہادت

طبری کی روایت ہے کہ عمرو بن سعد بن نفیل ازدی کی نظر جو قاسم پر پڑی تو اس نے کہا کہ اس بچے پر میں حملہ کروں گا۔ بعض لوگوں نے روکا بھی مگر اس نے نہ مانا۔ اور قاسمؑ کے پاس آ کر سر پر تلوار لگائی۔ قاسمؑ منہ کے

اس کے بعد آپ نے خود قاسمؑ کی لاش کو اٹھایا اور وہیں کہ جہاں علی اکبرؑ کی لاش پہلے سے موجود تھی قاسمؑ کی لاش کو بھی لا کر لٹا دیا۔

ابن شہر آشوب نے شہدائے اہلبیتؑ کی فہرست میں قاسمؑ کے باب میں عجیب اضطراب بیان سے کام لیا ہے۔ ایک مرتبہ تو عبداللہ بن الحسنؑ کی شہادت کے بعد لکھا ہے۔ ثم برز اخوه القاسم ”پھر ان کے بھائی قاسمؑ میدان جنگ میں آئے۔“

یہاں قاسمؑ کی رجز انھوں نے یہ لکھی ہے:-

اِنِّی اَنَا الْقَاسِمُ مِنْ نَسْلِ عَلِی
نَحْنُ وَبَیْتِ اللّٰهِ اَوَّلِی بِالْغَیْبِ
مَنْ شَمَرَ ذِی الْجَوْشَنِ وَابْنَ الدَّعِی
لکھتے ہیں کہ ان کو عمر بن سعد از دی نے قتل کیا۔ انہوں نے امامؑ کو آواز دی۔ امام نے حملہ کیا اور قاتل کے ہاتھ کو قطع کر دیا۔ اہل شام نے اس کو امامؑ کے ہاتھ سے چھین لیا۔ حضرت قاسمؑ کے سر ہانے کھڑے ہوئے اور فرمایا: عز علی عمّک ان تدعوہ فلا یجیبک او یجیبک فلا ینفعک اجابتہ۔

اس کے بعد پھر امیر المومنینؑ کی اولاد میں عبداللہ بن علی کے بعد لکھا ہے کہ ”کہا جاتا ہے اس کے بعد ان کے بھائی قاسمؑ میدان میں آئے اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:-

یا عصبۃ جارت علی نبیہا
وکدّرت من عیشہا ما قد بقی
فی کل یوم تقتلون سیّدنا
من اہلہ ظلماً و ذبحاً من قفا

بھل زمین پر گر گئے اور اپنے چچا کو مدد کے لئے آواز دی۔ حسینؑ بھتیجے کی مدد کے لئے پہنچے اور غضبناک شیر کی طرح حملہ کیا۔ عمرو بن سعد بن نفیل جو قاسمؑ کا قاتل تھا، ابھی پاس موجود تھا۔ آپ نے اس پر تلوار لگائی۔ وہ اس کے ہاتھ پر پڑی۔ وہ کہنی سے کٹ کر الگ ہو گیا۔ فوج اس کے بچانے کے لئے ٹوٹ پڑی۔ مشہور ہے کہ اس ہنگامہ میں جناب قاسمؑ کی لاش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے صدمہ پہنچا مگر طبری کے الفاظ حسب ذیل ہیں:-

”حملت خیل لاهل الکوفۃ

لیستنقذوا عمرا من حسین

فاستقبلت عمرا بصد و رہا

فحرکت خوافرها و جالت الخیل

بفرسانہا علیہ فتوظّاتہ حتی

مات۔“

اس عبارت سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ عمرو بن سعد قاتل جناب قاسمؑ گھوڑوں کی ٹاپوں میں پامال ہوا اور ہلاک ہو گیا۔

جب مجمع منتشر ہوا تو امام قاسمؑ کے سر ہانے کھڑے ہوئے اور حسرت و اندوہ کے ساتھ فرمانے لگے:-

”عزّ واللّٰہ علی عمّک ان تدعوہ

فلا یجیبک ثم لا ینفعک۔“

”تیرے چچا پر بڑا ناگوار ہے یہ امر کہ تو

اسے پکارے اور وہ تیری خبر نہ لے سکے یا

تیری آواز پر آئے مگر تجھے کوئی فائدہ نہ پہنچا

سکے۔“

حقیقت یہ ہے کہ قاسم واقعہ کربلا میں صرف ایک ہی تھے جو قاسم بن الحسنؑ ہیں۔ ان کے علاوہ نہ قاسم بن علیؑ کا کوئی وجود ہے اور نہ قاسم بن الحسینؑ کا۔ یہ ایسی لغزشیں ہیں جو آج اگر کسی کے قلم سے ہو جائیں تو اسے بیخبر، جاہل اور نہ معلوم کیا کیا کہہ دیا جائے۔ مگر پرانے زمانہ کے لوگوں سے ایسی لغزشیں ہوئی ہیں اور ان کی کتابوں کو پھر بھی آج لوگ معتبر کتب کی فہرست میں داخل کرتے ہیں۔



نامِ حسینؑ

شیدائے اہلبیت آنجہانی و شونا تھر پر شاد ماتھر لکھنوی
ہے کبھی صبح حسینؑ اور ہے کبھی شام حسینؑ
اب بھی باقی ہے اسی صورت سے پیغام حسینؑ
آسمان کی گود میں اُتے ستارے بھی نہیں
ہر زباں پر جتنی بار آجاتا ہے نام حسینؑ



وہ جذبِ شوق جو مخصوص ہے اثر کے لئے
تجلیاں ہیں حقیقت بھری نظر کے لئے
غمِ حسینؑ پہ دنیا کی ہر خوشی ہے نثار
یہ دو گھڑی کے لئے ہے، وہ عمر بھر کے لئے

صبرِ شبیری

محَب حیدر آنجہانی شری چندر شیکھر سکسینہ شیکھر
ذاکرِ سبطِ نبی ہوں، حُبِ حیدر دل میں ہے
بس یہی ایمان ہے میرا یہی اسلام ہے
صبرِ شبیری نے شیکھر دیں کو زندہ کر دیا
سرنگوں اب تک ہے باطل، سر بلند اسلام ہے



ان کے سر پر عمرو بن سعید ازدی نے تلوار لگائی امام حسینؑ نے اس پر حملہ کیا اور تلوار ماری پھر اس بچے کے پاس آئے ایسی حالت میں کہ وہ ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔ اور فرمایا:-

”بعد القوم قتلوك و

خصبهم يوم القيامة فيك

جداك۔“

”ہلاکت ہو اس قوم کے لئے جس نے

تجھ کو قتل کیا۔ اور اس کے خلاف دعویٰ در روز

قیامت تمہارے دادا ہوں گے۔“

یہاں قاتل وہی بتلایا گیا ہے جو قاسم بن الحسنؑ کا قاتل تھا۔ پھر امام کی زبان سے جو الفاظ منسوب کئے گئے ہیں وہ قاسم بن الحسنؑ ہی کے متعلق ہو سکتے ہیں کیونکہ امیر المومنینؑ کے فرزند کے اعتبار سے رسول اللہ کو کسی طرح ”جد“ کہنا صحیح نہیں ہے جب تک کہ وہ ”فرزندِ فاطمہؑ“ بھی نہ ہو لیکن یہ ظاہر ہے کہ جناب فاطمہؑ کا کوئی فرزند کربلا میں سوائے امام حسینؑ کے نہ تھا۔

پھر جناب عباسؑ کی شہادت کے بعد لکھا ہے: ”اس کے بعد قاسم بن الحسینؑ میدانِ جنگ میں آئے اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:-

ان تنكروني فانا ابن حيدرة

ضرغام اجام وليث قسورة

على الاعادى مثل ريج صرصرة

اكيلكم بالسيف كيل السندرة

یہ وہ رجز ہے جو آپ صاحبِ ’ناسخ‘ کی زبانی عبد اللہ بن الحسنؑ کے حال میں سن چکے ہیں۔ مناقب کی یہ عجیب و غریب آشفته بیانی ایسی ہے جس کی نظیر مشکل ہے۔

اقوامِ عالم میں عورت کا معیار

علامہ سید محبتی حسن صاحب قبلہ کا مونپوری

ہندی عورت

ہندی قانون ساز منو (۱۸۵۰ ق م) بیوہ عورت کو دوبارہ شادی کا حق نہیں دیتے۔

کسمنی کی شادی کی وجہ سے اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ایک سال کی عمر میں لڑکی کی شادی کر دی گئی جبکہ وہ بول چال پر بھی قادر نہ تھی اور اسی زمانے میں اس کا شوہر مر گیا اس وقت اسے زندگی بھر تجربہ کی آگ میں جلنا ہوتا تھا۔ عورت حقارت و ذلت کی ایک علامت تھی نہ وہ شوہر کے دسترخوان پر ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا سکتی تھی اور نہ شوہر کا نام لے سکتی تھی سستی کی رسم تو مرد کے حب ذات، انانیت و استبداد کی آخری مثال ہے۔ شوہر کے بعد عورت کا بھی آگ کی نذر ہو جانا عورت کے متعلق ہندی نقطہ نظر کی عملی تشریح ہے۔

یہ صورت حال خود ہی بتاتی ہے کہ عورت کا کوئی مستقل وجود نہ تھا وہ مرد کا ایک سایہ تھی مرد کے مرجانے کے بعد اس کی ہر قسم کی زندگی ختم ہو جاتی تھی۔ جب کوئی مرتا تھا اور اپنے بعد اولاد ذکر میں سے کسی کو چھوڑتا تھا تو خوشی خوشی جان نکلتی تھی وہ سمجھتا تھا کہ دیوتا اس سے خوش ہیں اور اگر لڑکی چھوڑتا تھا تو سمجھتا تھا کہ میں ناکام مر رہا ہوں۔

”منو“ کا قول ہے عورت بچپن میں والدین کی تابع جوانی میں شوہر کی بیوگی میں اولاد کی یا شوہر کے عزیزوں کی۔ وہ کسی طرح آزاد نہیں ہو سکتی۔

جاپانی عورت

جاپانی عورت مرد کی عیاشی کی ایک مشین تھی۔ باپ کو بیٹی

کے نیچے کا اختیار تھا شوہر جس کو چاہتا تھا اسے تحفے کے طور پر اپنی بیوی کو ہبہ کر سکتا تھا۔ ۱۸۹۶ء تک جاپانی عورت نے اس ماحول میں زندگی گزاری۔

چینی عورت

چینی مذہب عورت کو کوئی مستقل ہستی نہیں سمجھتا اور نہ اس کے لئے کوئی حق تسلیم کرتا ہے۔ عورت کو وہ مرد کی دلچسپی کے ذریعہ کی حیثیت سے دیکھتا ہے۔ جس طرح دنیا کی سیکڑوں جاندار و بے جان چیزیں مرد کا دل بہلانے کے لئے ہیں اسی طرح عورت بھی ایک کھلونا ہے مرد کو عورت پر اسی طرح کامل اختیار ہے جس طرح وہ اپنی منقولہ و غیر منقولہ جائداد پر اختیار رکھتا ہے۔

چین کے ایک بادشاہ ”کن“ کے محل میں ۳۰ ہزار عورتیں تھیں جس طرح آج کل مردہ و زندہ عجائب خانہ میں مختلف قسم کے ظروف اور مختلف ملکوں کے جانور جمع کئے جاتے ہیں اسی طرح اس بادشاہ نے اپنے محل میں تیس ہزار عورتوں کا ایک عجائب خانہ بنالیا تھا۔ اس تاریخی نص سے معلوم ہو سکتا ہے کہ چین میں عورت کی کس قسم کی زندگی تھی۔ عورت کو کسی سے کوئی ترک نہیں ملتا تھا نہ وہ اپنے باپ کی وارث ہو سکتی تھی نہ شوہر کی نہ اولاد کی۔ دختر کشی ایک عام رسم تھی جو فقر و فاقہ کے نتیجہ میں رائج ہو گئی تھی۔

کنفوشس (۵۵۱-۴۷۹ ق م) جو چینوں کا مشہور ترین فلسفی ہے لکھتا ہے کہ عورت اپنے بڑے بھائی اور عزیزوں کی محکوم ہے۔ شادی کے بعد شوہر کی محکوم، بیوگی میں

”طرابلس“، ”بیروت“ ہیں۔

فنیقی مظاہر قدرت کی پوجا کرتے تھے۔ لولوغ (آگ کے دیوتا) اور اس کی دیوی عشتروت (زہرہ) کی پوجا میں اخلاقی پابندیاں اٹھادی گئی تھیں۔ عشتروت کو خوش کرنے کے لئے عورتیں خوشی خوشی اپنی عفت کا خزانہ لٹاتی تھیں۔ آج کل کی بازاری عورتوں میں اور ان میں فرق یہ تھا کہ ان کو ہمارا سماج تندنگاہوں سے دیکھتا ہے اور انہیں سوسائٹی کا بدنام داغ سمجھا جاتا ہے اور انہیں شریفوں کی آبادی سے الگ اپنا نشیمن بنانا ہوتا ہے اور فنیقیہ میں مقدس مقامات کو عیش پرستی کا مرکز سمجھا جاتا تھا اور مردہ ضمیر اس رسوا خدمت پر تحسین و آفریں کرتا تھا۔

یہودی عورت

حضرت موسیٰ کا اصلی قازن (تورات) ہمارے پاس نہیں ہے۔ یہودیوں نے توریت میں کافی تحریف کردی اس لئے ہم جس یہودی عورت کا تاریخی تصور کر سکتے ہیں وہ وہی عورت ہے جسے یہودی راہبوں اور تاریخی قسیسوں نے اپنے میلانات کے سانچے میں ڈھالا ہے۔

یہودی سوسائٹی نے اس کے تمام حقوق چھین لئے تھے۔ وہ زینہ اولاد کے ہوتے ہوئے والدین کی وارث نہیں ہو سکتی تھی۔ نہ اس کی گواہی قبول کی جاسکتی تھی۔ اور جب تک باپ یا شوہر کی رضامندی شامل نہیں ہوتی تھی اس کی نذر صحیح نہیں ہوتی تھی علمائے یہود کہتے تھے کہ توریت کو نذر آتش کر دینا عورت کی تعلیم دینے سے بہتر ہے۔ (البیت والمرآة)

یہودی ناکتخدا لڑکی اپنے باپ کے گھر میں لونڈی کی طرح رہتی تھی۔ (توریت سفر عدد ۱۷/۳۰)

وہ جب تک بلوغ کی سرحد طے نہیں کر لیتی تھی اس کے باپ کو اس کے بیچنے کا پورا اختیار ہوتا تھا۔ بھائیوں کو بھی بہن کے ساتھ ہر قسم کے سلوک کی اجازت تھی۔ (۔۔۔ جاری)



بڑے لڑکے کی محکوم رہے گی۔ عورت کے لئے زنا وغیرہ کی صورت میں جو سزائیں تجویز کی گئی تھیں مرد کی سزاؤں سے وہ کہیں زیادہ سخت تھیں۔ وہ شوہر کی اطاعت کے ساتھ وہ شوہر کے والدین اور خاندان کی اطاعت پر بھی مجبور تھی۔ شوہر کے مرنے پر شوہر کے والدین کا بہو پر اس قدر حق قائم ہو جاتا تھا کہ دوسرا انہیں کی رائے سے ہو سکتا تھا۔ عورت میں اس قدر احساس کمزوری پیدا کر دیا گیا تھا کہ وہ شوہر کے بعد خودکشی کر لیتی تھی۔ ۱۶۶۸ء تک چین میں شوہر کے انتقال کے بعد عورت کی خودکشی کا رواج رہا ہے جس طرح یونان و عرب میں کنیزوں کو آرائش بزم کے لئے شعر اور موسیقی کی تعلیم دیتے تھے چین بھی مرد کے نقطہ نظر سے عورت کو تیار کرتا تھا۔ بچنے ہی میں عورت کو لکڑی کا چھوٹا جوتہ پہنایا جاتا تھا جس سے اس کا پاؤں بڑھنے نہیں پاتا تھا اور وہ زیادہ دور نہیں چل سکتی تھی۔

سوری عورت

سوریا میں ”ارامی“ اور ”کنعانی“ قومیں آباد تھیں پہلے سوریوں کی خود مختار وطنی حکومت تھی۔ حضرت سلیمان کے وقت سے اس پر اجنبی تسلط کا آغاز ہوا۔ پھر تو بابلی، اشوری و مادی و ایرانی و مصری و یونانی و رومانی و عبری و ترکی حکومتیں تاریخ کے مختلف دور میں قابض ہوتی رہیں اس کی سیاسی و دینی حالت برابر بدلتی رہی۔ اس لئے سوری عورت کے متعلق کوئی ایک بیان نہیں دیا جاسکتا جس سے تاریخ کے ہر دور کی تصویر نگاہوں کے سامنے آجائے۔

سوری عورت پر بحث کرنے کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ہم یہودی و فنیقی و مسیحی عورت کے حالات کی جانچ کریں اس لئے کہ یہ خالص سوریا کی پیداوار ہیں۔

فینیقی عورت

فنیقیہ سے مراد وہ اقلیم ہے جو ”عکا سے بانیا“ تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے مشہور شہر ”صیدا“، ”صور“، ”حبل“۔

پردہ ایک فطری ضرورت

محترمہ جہان آرا قزلباش

کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اسلام الہی قوانین پر مبنی ہے جس نے ہر صنف کے فطری تقاضوں کے مابین اس طرح کے قانون مرتب کئے جس میں ہر دو اصناف کے لئے منصفانہ، نمایاں اور معقول قوانین موجود ہیں جو انسانی فطرت سے مطابقت رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے اسلام کو مذہب فطرت کہا جاتا ہے۔ چودہ صدیوں کے گزرنے کے بعد بھی آج تک ان قوانین کی مدلل پرکھ میں اس کے بدترین مخالفین کو بھی کوئی کھوٹ اجاگر کرنے میں کامیابی نہیں ملی۔

کسی انسان کے کسی عمل کا مذاق اڑانا الگ بات ہے، جیسے کہ یہ کہنا کہ پردہ دور جاہلیت کی یادگار ہے، لیکن اس قسم کے رکیک حملوں میں دلیل یا سائنس کے معلوم کردہ حقائق نادر ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ تضادی پہلوؤں کا ذکر ہی نہیں کیا جاتا، اس وقت بھی جبکہ سنجیدہ بحث کی جارہی ہو۔

عورت کے منفرد حقوق کی حفاظت کرنا یا عورت کو مرد کے برابر حقوق فراہم کروانے کی وکالت کرنا ایک الگ بات ہے لیکن عورت اور مرد کو کلی اعتبار سے برابر تصور کر لینا یا سمجھنا بالکل ہی الگ بات ہے۔ قدرت نے عورت اور مرد کو نہ صرف فعلیاتی (فیزيولوجیکل) بلکہ اعصابی اور نفسیاتی تفریق کے ساتھ پیدا کیا۔ اس لئے کسی باشعور انسان کو دونوں کو برابر سمجھنے کی غلطی نہیں کرنی چاہیے۔ اعصابی اختلاف کے باعث دونوں اصناف میں سوچنے، فیصلہ لینے اور ایک خاص قسم کے یکساں حالات میں رد عمل کرنے میں الگ الگ اعصابی طریق استعمال کئے جاتے ہیں جن کو جدید سائنس ثابت کر چکی ہے۔ انسانوں میں فعلیاتی قوانین اتنے ہی اٹل ہیں جتنے فلکیاتی

دنیا کے سارے قدیمی مذاہب اور معاشروں میں عورتوں کے پردہ کا چلن مدتوں سے جاری و ساری تھا۔ اسلام سے بہت پہلے یہودی اور عیسائی معاشرے کی عورتیں پردہ کرنے کے لئے یشمک (Yashmak) کا استعمال کیا کرتی تھیں۔ جبکہ اب اس لفظ کو غلط طریقہ سے مسلمان عورتوں کے برقع سے جوڑ دیا گیا ہے۔ یشمک کو عورتوں کا پورا بدن اور چہرہ ڈھانپنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا، جسکی ایک شکل آج بھی چرچ کی عیسائی نس پہنتی ہیں۔ ہندوستان میں بھی لمبے گھونگھٹ کا استعمال مدت سے جاری تھا۔

مختلف شکلوں میں یشمک پہننے کا رواج انیسویں صدی تک یورپ اور دیگر عیسائی علاقوں میں رائج رہا۔ لیکن اسی صدی میں ایک برٹش (British) مشہور مصنف و مفکر ایچ جی ویلس نے عورتوں کی آزادی (ڈمنس لبریشن) کی تحریک کا آغاز کیا، حالانکہ ان موصوف کی کرداری پسماندگی کی کہانیاں مشہور ہیں۔ ایچ جی ویلس نے یورپ اور امریکا میں گھوم گھوم کر عورتوں کی آزادی کی تحریک کی خوب تشہیر کی جو آج بھی جاری ہے۔ شاید اس وقت موصوف کا مقصد عورت کو عریاں کرنے کا نہ بھی رہا ہو لیکن ان کے خود کے کردار کی ضروریات کو پورا کرتا تھا۔ قدیمی مذاہب میں عورتوں کے پردہ کی بابت کوئی قانونی نظام نہیں تھا بلکہ پردہ کو معاشرتی نظام کے تحت ہی رواج مان کر چلایا جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے عورتوں کو پردہ چھوڑنے یا عریانیت کو اپنانے میں زیادہ دشواریاں پیش نہیں آئیں، جبکہ مردوں کا ایک طبقہ ان کے اس فعل کی حمایت کر رہا تھا۔ کسی بھی طرح کے قانونی فقدان میں چرچ کے پاس بھی اس کی مخالفت

میں میزان پاؤگے۔ پردہ کے حکم میں بھی میزان ہے۔ یعنی شرعی طریقہ سے جسم کا پردہ کر کے عورت اپنے شایان شان ہر کام انجام دے سکتی ہے اور ہر جگہ آجاسکتی ہے۔ پردہ کا قطعی یہ مطلب نہیں کہ وہ گھر کی چہار دیواری میں بیٹھ جائے۔

عورتوں کے لئے جناب سیدہ کی سیرت ایک آئینہ اور سنت ہے۔ جناب سیدہ ضرورت پڑنے پر گھر کے لئے پانی بھرنے تشریف لے جاتی تھیں۔ وہ تاریخی واقعہ بھی ایک مثال ہے جب جناب سیدہ اپنے والد ماجد (رسول) کی وراثت میں باغ فدک کا حق مانگنے خلیفہ اول کے کھلے دربار میں تشریف لے گئیں اور وہاں کافی وقت تک مکالمہ کیا تھا۔

جن مغربی اقوام نے پردہ کو خیر باد کہا وہاں ایک صدی کے اندر ہی کے عرصہ میں بات عورت کی عریانی سے بھی آگے نکل گئی اور وہ سماج ٹوٹنے کے لگاپر ہے اور وہاں عورتوں پر ظلم کی داستانیں عام ہیں۔ ان کے مفکرین کو اب اس سے بچنے کا کوئی راستہ سمجھائی نہیں دیتا۔ قدرت کی بنائی فطرت یا قوانین سے منکر ہونے میں تباہی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔



سر حسین شہادت کے بعد نیزے سے
یہ دیکھتا تھا کہ اب کتنا کام باقی ہے
(مولانا اولاد حسین نقوی شاعر اجتہادی)

دباعتی

خدائے سخن حضرت میر بر علی انیس مرحوم
مجلس میں عجب بہار چشم تر ہے
ہر لختِ جگر رشکِ گلِ احمد ہے
اشکوں سے نہ کس طرح ہوا نکھوں میں چمک
بے قدر ہے وہ صدف، جو بے گوہر ہے

قوانین۔ انہیں قوانین کے تحت عورت کے جسم کے ہر خلیہ (Cell) میں ”ایکس ایکس کروموسوم“ موجود ہوتا ہے جبکہ مردوں میں ”ایکس وائی کروموسوم“ کی موجودگی طے شدہ ہے جو نسوانیت کی موجودگی یا غیر موجودگی طے کرتی ہے۔

قرآن و اسلام نے انہیں تو جیہات کی بنیاد پر دونوں اصناف کے بیچ آزادانہ اختلاط کو سخت ناپسند کیا ہے۔ اختلاط کی حدوں میں داخل ہونے میں پہلا قدم صنف نسواں کی کشش ہوتی ہے جو اس کے فعلیاتی اعضا پر نظر پڑتے ہی تموج پیدا کر سکتی ہے۔ عورت کے اس خاص جسمانی نظام کو قدرت نے اس کی حیا، عصمت اور عفت کی شکل میں خود اس کے حوالے کر دیا ہے جس کی حفاظت بھی خود اسی کو کرنا ہے۔

حیا، عصمت اور عفت کو قدرت نے عورت کا قیمتی ترین گہنا قرار دیا ہے، جسکی حفاظت کا آسان سا طریقہ قرآن نے پردہ کا حکم دے کر بتا دیا اور اس کو واجب قرار دیا۔ اس کے علاوہ پردہ کے مفصل طریقے بھی قرآن کریم نے بتائے۔ (سورہ ۲۴: ۳۱، ۴۰، سورہ ۳۳: ۵۳ وغیرہ)۔

اسلام نے پردہ کو اس لئے واجب قرار دیا تاکہ یہ صرف رواج نہ رہے بلکہ یہ عورت کی فطری ضرورت ہے تاکہ وہ اپنی حیا، عصمت اور عفت کی حفاظت کر سکے اور دیگر اقوام کی طرح صرف رواج نہ بنے اور قانون کی بندشوں میں تصور کیا جائے۔ یہ قانون دلائل کے ساتھ نافذ کئے گئے۔

مخالفین کا یہ تصور کہ ”اسلام نے پردہ کو واجب کر کے عورتوں کی آزادی سلب کر لی اور عورت کی پسماندگی کی وجہ بن گیا“، قطعی غلط تصور ہے۔ قرآن نے عورت کو گھر میں قید کرنے کا حکم نہیں دیا۔ وہ پردہ میں رہتے ہوئے باہر نکل کر اپنے کام بھی کر سکتی ہے اور اپنی حفاظت بھی کر سکتی ہے۔ دیگر امور میں بھی ہر قدم پر قرآن نے عورتوں کے حقوق کی مکمل حفاظت کی ہے قرآن میں ارشاد ہوا کہ تم اللہ کے کام

مرثیہ در حال حضرت امام حسین علیہ السلام (بند ۲۱۱)

دعبل ہند نواب مولانا سید فرزند حسین نقوی ذخرا جتہادی

(۱)

تاجِ سرِ کلام ہے دُرّ سخن مرا
نیسانِ دُرفشاں سے فزوں ہے دہن مرا
جئاتِ عدن سے نہیں کچھ کم عَدَن مرا
آبِ گہر سے سبز ہوا ہے چمن مرا
یہ صنّٰعِ حق دکھائی مری کشتِ زار نے
سجدے کئے جبینِ عروں بہار نے

(۲)

رکتا ہے ایک ایک گلِ تر ہزار رنگ
دکھلاتے ہیں گلوں کی طرح برگ و بار رنگ
وہ حسنِ دلفریب کہ جس پر نثار رنگ
ہے جذبِ دل سے پھولوں کی گردن کا ہار رنگ
غنجے بڑھے یہ حد سے کہ پھولوں سے بڑھ گئے
شاخوں کے سر پہ کیا، کہ نگاہوں پہ چڑھ گئے

(۳)

کانٹے بھی اس چمن کے رگِ گل سے کم نہیں
دامنِ کسی کا منتِ شبنم سے نم نہیں
گردوں کے کنگروں کو یہ رفعت بہم نہیں
سرِ آسمان پر ہیں، زمیں پر قدم نہیں
ہر صبحِ آسمان کے جگر سے گذر گئے
آئی شعاعِ مہرِ ادھر، یہ ادھر گئے

(۴)

یوں بارور کبھی نہیں ہوتیں زراعتیں
پھلتی نہیں جہاں میں کبھی یوں ریاضتیں
جب تک ہیں گردشوں میں زباں پر روایتیں
باقی رہیں گی میرے چمن کی حکایتیں
فانی ہوں، پر ہے اس کی بقا کی خبر مجھے
نکلوں گا قبر سے تو ملے گا ثمر مجھے

(۵)

نسبت ہے اس سے کیا چمنِ روزگار کو
ہے اس سے رشک، چرخِ زبرد نگار کو
کرتا ہے جذبِ رحمتِ پروردگار کو
جو گل ہنسا، رُلا دیا ابرِ بہار کو
دامانِ باغِ نکہتِ جنت سے بس گیا
جس جا سے ابر اٹھا تھا، اُسی جا برس گیا

(۶)

غواصِ فکر غرق رہے اس کی چاہ میں
عالم میں سر بکف رہا ذہن اس کی راہ میں
تنویر اس کی آئی نہ چشمِ سیاہ میں
پتلی کی طرح تھا، پہ نہ آیا نگاہ میں
ڈھونڈا بلند و پست کو موجِ نسیم نے
آخر پتا پتا دیا، گل کی شمیم نے

(۷)

آئینوں کی ہیں برگ میں پیدا صفائیاں
پتوں میں گل کی طرح سے ہیں کج ادائیاں
کرتا ہے عکس باغ میں معجز نمایاں
اونچے ہوئے وہ کرتے تھے جو جہہ سائیاں
جو چیز پست تھی وہ سرتاج ہوگئی
سبزے کو صحنِ باغ میں معراج ہوگئی

(۸)

وہ گل ہیں بوستانِ عدیم المثال میں
مشکل سے جن کا رنگ سمایا خیال میں
حیراں ہوں صنعتِ قلم ذوالجلال میں
اُترا ہوا ہے رنگِ چمن ہر نہال میں
دیکھے اگر تو چشمِ بصیرت بھی بند ہو
ہر شاخِ کہکشانِ فلک سے بلند ہو

(۹)

خواہشِ نمو کی ہے کہ نکل آئیں گل میں گل
رنگِ چمن کی طرح جگہ پائیں گل میں گل
گلدستہ شاخِ نخل کو دکھلائیں گل میں گل
حکمِ ہجوم ہے کہ سما جائیں گل میں گل
دل تنگ ابھی سے وسعتِ صحنِ خیال ہے
کلیاں بھی کھل گئیں تو سمائے محال ہے

(۱۰)

پودے پھپک رہے ہیں جگہ کی ہے یہ کمی
بُو، گھٹ کے گل سے، چھوڑتی ہے ربطِ باہمی
مانا کہ جامِ گل میں رہا اشکِ شبنمی
کس جا رہے گی باغ میں سنبل کی برہمی
اچھا تو ہے کہ رنج کا ساماں نہ ہو سکے
مجمع وہ ہو کہ زلف پریشاں نہ ہو سکے

(۱۱)

واقف نہیں ہے نخل کوئی ظنِ بوم سے
غنجوں کا سرگراں نہیں دورِ نجوم سے
پتی کوئی ہلی نہیں بادِ سموم سے
پھولے نہیں سماتا گلوں کے ہجوم سے
پائے خزاں جگہ کسی جا کیا محال ہے
غنجوں کے منہ سے بات نکلی محال ہے

(۱۲)

لالہ کے دل کا داغ نہیں شمعِ طور ہے
سوسن ہے گو سیاہ مگر ابرِ نور ہے
نغمے ہیں بلبلوں کے کہ لحنِ زبور ہے
غنجوں میں ہے شمیم کہ محل میں حور ہے
جنت بنا دیں سرحدِ دنیائے زشت کو
مٹھی جو کھول دیں تو دکھا دیں بہشت کو

(۱۳)

پرتو ہے اس کی صبح کا تنویرِ یا سمن
شام اس کی ہے سوادِ دلِ نافہِ ختن
کیونکر نظیرِ باغِ جناں ہو نہ یہ چمن
تکھت ہے اس کی مدحِ ریاضِ ابوالحسن
جیوں سے اس کو کام نہ ہے رودِ نیل سے
سرسبز ہے امید مئے سلسبیل سے

(۱۴)

منت کشِ سحاب نہیں اس کے برگ و بار
دامن سے گر گیا جو کیا اوس نے نثار
زگس کی آنکھ اٹھتی نہیں سوئے آبشار
سوسن زباں پہ لاتی نہیں حرفِ اضطرار
پھیرے ہے منہ کو خیمہ نیلی طناب سے
کوسوں ہے دور جامِ مہ و آفتاب سے

(۱۵)

ہو خوفِ برق اُسے جسے ہو خواہشِ سحاب
رہتا ہے روزِ باغ میں سبزہ غریقِ خواب
میرے چمن کے آگے ہر اک بحر ہے سراب
کیا کم ہے اس کو اپنے گلِ ترکی آب و تاب
بے آب رنگ آئے گا غیچوں میں، پھول میں
باقی ہے خوں ابھی مرے قلبِ ملول میں

(۱۶)

قطرہ گرے نہ لاکھ برس بھی تو کیا خطر
یوں ہی ہرے رہیں گے مرے باغ کے شجر
دامانِ شہدائِ چمن کس لئے ہوں تر
حسنِ چمن کا آبِ رسانی میں ہے ضرر
ہدیہ ہے یہ نبی کے نواسے کے واسطے
میں نے چمن لگایا ہے پیاسے کے واسطے

(۱۷)

حسنِ بہار ہے جو ہوں سوسن کے لبِ کبود
باقی رہے گا رنگ اٹھے گا جو دل سے دود
ماتم کا ہو لباس تو سبزے کی ہو نمود
لالہ کی قدر کیا جو نہ ہو داغ کا وجود
کیا دور سوزِ دل سے کلی شمعِ طور ہو
پانی جو بند ہو تو رواں نہرِ نور ہو

(۱۸)

بے آب اک یہی چمنستاں نہیں ہرا
اس سے سوا نبی کا چمن تھا ہرا بھرا
عالم پہ قحطِ آب کا ظاہر ہے ماجرا
راہیں بھی بند تھیں رہِ خالق کے ماورا
گھیرا تھا اس طرح سپہ بد صفات نے
اس بوستاں کی راہ نہ پائی فرات نے

(۱۹)

رکھتا ہے وہ چمنِ بدِ قدرت کی صنعتیں
تھیں ہر ورق پہ مصحفِ زہرا کی آیتیں
اک عمر کی نبی و علیٰ نے ریاضتیں
آئینہ جہاں میں تب آئیں وہ صورتیں
مدت ہوئی بسے ہوئے اُن کو مزار میں
اب تک شمیم ہے چمنِ روزگار میں

(۲۰)

بُو اُن گلوں کی آج تک آتی ہے ہم تک
تھے دہر میں تو جاتی تھی باغِ ارم تک
صد برگ ہو کے خلق سے پہنچی عدم تک
جس کا بہار نام ہے، تھی ان کے دم تک
پنہاں ہوئی تو ساتھ لحد میں سما گئی
کچھ تھی وہ ان کی قبر کے پھولوں میں آگئی

(۲۱)

بدلا مثالِ دورِ جہاں رنگِ آسماں
غربت نے کر دیا اُنہیں آفت کا میہماں
بُو کی طرح تباہ رہا گل کا کارواں
لائی اُنہیں مدینہ سے تا کربلا خزاں
نکلے نہ آ کے رنج و بلا کے ہجوم سے
پڑمردہ پھول ہو گئے بادِ سموم سے

(۲۲)

ہونے لگیں غموں کی لگاتار بارشیں
گردوں نے کیں ملال کے پردے میں کاوشیں
دم میں زمانہ بھر کی سمٹ آئیں کاوشیں
پوری ہوئیں وہ تھیں جو مقدر کی خواہشیں
جنت کے پھول دشت کے کانٹوں میں پڑ گئے
سارے نہال خون کے تھالوں میں گڑ گئے

(۲۳)

ماتم میں چاک چاک دلِ ناصبور ہے
آنکھوں کا بحرِ اشک سے مشکل عبور ہے
قلبِ تپاں سے صبر کی منزل بھی دور ہے
ذکر آ گیا ہے گر تو بیاں بھی ضرور ہے
جو کچھ گذر گیا وہ فسانہ طویل ہے
تھوڑا بیاں کروں گا کہ مہلت قلیل ہے

(۲۴)

گویائی جن میں تھی وہ بیاں کر چکے بہت
رازِ نہاں قلم سے عیاں کر چکے بہت
تزیینِ بزمِ شاہِ جہاں کر چکے بہت
میدان میں امتحانِ زباں کر چکے بہت
عاجز ہوئے بیاں سے تو روپوش ہو گئے
پوری ہوئی نہ بات کہ خاموش ہو گئے

(۲۵)

لاکھوں تھے لکھنے والے، زبانیں تھیں بے حساب
رات اور دن بڑھاتے رہے ماہ و آفتاب
دن کو نہ کام تھا کوئی، شب کو نہ شغلِ خواب
لکھا کئے مصائبِ فرزندِ بو تراب
محدود غم جو تھے وہی درجِ کتاب تھے
باقی جو رہ گئے تھے وہی بے حساب تھے

(۲۶)

حدِ ملال تک نہیں پہنچی کوئی نگاہ
سو جھی نہیں کسی کو جہاں میں ابھی یہ راہ
کشتی عمر ہو گئی اس بحر میں تباہ
آنکھیں سفید ہو گئیں دفتر ہوئے سیاہ
دیکھا تو ہر کلام میں باقی کلام تھا
عمریں تمام تھیں پہ سخنِ ناتمام تھا

(۲۷)

گذرے تھے جب زمانہ ہجرت سے ساٹھ سال
پھیلا ہوا ہے تب سے یہ ذکرِ غم و ملال
پھولے پھلے خزاں ہوئے عالم کے نو نہال
سو رنگ چرخ لا چکا، بدلے ہزار حال
بارش میں ایک طرح سے ہے چشمِ ترا بھی
بلبل جو اُس چن کی تھی، ہے نوحہ گر ابھی

(۲۸)

ہر عہد میں رہا اسی ماتم کا ذکر عام
دامانِ نظم و نثر کو بھرتا رہا کلام
گذرا جو ایک عہد، کیا دوسرے نے نام
کوچ ایک نے کیا تو کیا ایک نے مقام
حرفِ غلط بھی آ گیا آخر شمار میں
نام آ گیا مرا ورقِ روزگار میں

(۲۹)

طے ہوں گی مجھ سے کیا کہ یہ ہیں منزلیں کٹھن
پیشِ نظر ابھی تو ہے دیباچہٴ سخن
نو مشق کو کبھی نہیں ملتا کمالِ فن
کیا کام ہو زباں سے جو کھلتا نہ ہو دہن
ساکت رہوں یہ ہمتِ قلبی سے دور ہے
گویا ہے گر زباں تو تکلمِ ضرور ہے

(۳۰)

حرصِ ثنا نہیں مجھے اہلِ کلام سے
میرا نگیں وہ ہے جسے نفرت ہے نام سے
مستغنی المزاج ہوں ہر خاص و عام سے
ہاں دل غنی نہیں ہے تو کوثر کے جام سے
لب کھولتا ہوں میں تو اُسی کے خیال سے
طالب ہوں گر، تو ساقی کوثر کے لال سے

(۳۱)

خاکی ہوں میں سرشت کہاں مجھ میں نور کی
لائے دہن کہاں سے زباں شمعِ طور کی
ناقص ہوں میں، ہے طبع میں عادتِ قصور کی
سر میں جگہ نہیں ہے ہوائے غرور کی
حد سے کبھی قدم مرا آگے گیا نہیں
مثلی غبار اٹھ کے زمیں پر گرا نہیں

(۳۲)

ہر حرف زنِ کلام سے ہوتا نہیں کلیم
ہر اک گھر کا نام نہیں ہے دُرِ یتیم
ہر سمت کی ہوا کو نہیں کہتے ہیں نسیم
آتی نہیں کبھی گلِ تصویر سے شمیم
تر ہو کے خارِ دشت گلِ تر نہیں ہوا
چشمہ ہر ایک چشمہ کوثر نہیں ہوا

(۳۳)

عالم کے نیک و بد میں نہیں مجھ کو امتیاز
گر حسنِ نظم میں ہو تو ہے شانِ کارساز
نازاں نہیں مگر مجھے مدوح پر ہے ناز
شاید ہو مجھ سا پست بھی عالم میں سرفراز
مل جائے اوج اگر پسرِ بوترا ب سے
اونچا ہو سر مرا گلہ آفتاب سے

(۳۴)

دیہیم کی ہوس ہے نہ ہے خواہشِ سریر
کس بادشہ کے تخت سے کم ہے مرا حصیر
خورشید سے سوا ہے جلالت میں یہ حقیر
ہے نورِ حبّ آلِ مری خاک کا خمیر
رنگت اُتار دوں گا میں شبِ ہائے تار کی
دن ہوں گے میرے جسم کے، راتیں مزار کی

(۳۵)

مانگا جو کچھ، ملا مجھے اس خاندان سے
قبضہ میں آ گیا وہ جو نکلا زبان سے
مانگوں جو ہاتھ اٹھا کے میں حیدر کی جان سے
تارا بھی ٹوٹ آئے ابھی آسمان سے
بڑھتا رہے گا لطفِ مرے دستگیر کا
بھر دیں گے سلسبیل سے کاسہ فقیر کا

(۳۶)

دریائے فیض و جود ہے وہ قلمِ کرم
بھڑکی ہوئی ہے آتشِ دوزخ تو کیا ہے غم
ہم کو نہ ہوگا تشنگیِ حشر کا الم
پیاسے رہیں ہیں آپ، نہ پیاسے رہیں گے ہم
کی ہے دوا یہ شیعوں کے اعمالِ زشت کی
کانٹے زبان ہو گئے قیمتِ بہشت کی

(۳۷)

اللہ کیسی پیاس تھی ہے جس کی یہ جزا
کرتا ہے جس کے صبر پہ خودِ فخرِ کبریا
اس امتحاں کے تھے متحمل نہ انبیاء
کیا مطمئن تھا قلبِ جگر بندِ مصطفیٰ
گردوں سے جب بلا پہ بلا شہ پہ آتی تھی
ہر بار رنگِ رخ کی چمک بڑھتی جاتی تھی

(۳۸)

اُمّت کے ہاتھوں شاہ نے کیا کیا ستم اٹھائے
لیکن دعائے بد، لبِ جاں بخش پر نہ لائے
مسلم کے لختِ قلب و جگر خون میں نہائے
دنیا سے کوچ کر گئے بنتِ علی کے جائے
جلتی زمیں پسند کی منہ سب سے موڑ کے
برباد ماں کا گھر کیا ماموں کو چھوڑ کے

(۳۹)

پھر پائمالِ ظلم ہوا رات کا بنا
ان کو بھی روئے رن میں شہنشاہِ کربلا
بھائی کے ہجر نے تو الم اس قدر دیا
سیدھی ہوئی نہ پھر کمرِ سبطِ مصطفیٰ
دل آتشِ ملال و مصیبت سے پھک گیا
پیری کے دن نہ تھے یہ قدرِ راست جھک گیا

(۴۰)

غم سب سے بڑھ کے دے گیا فرزندِ نوجواں
نورِ نگہ کے ساتھ گئی جسم سے تواں
بعد ان کے جب شہید ہوا رن میں بے زباں
اٹھارہ داغ ایک جگر پر ہوئے عیاں
یہ سب اثر تھے قسمتِ بد کی بگاڑ کے
اٹھ بیٹھے ننھی قبر پہ دامن کو جھاڑ کے

(۴۱)

تھا قلبِ شہ پہ سب سے سوا اس پسر کا غم
مڑ مڑ کے دیکھتے تھے سوئے قبرِ دم بدم
بیتاب ہو رہا تھا دلِ سرورِ امّ
عارض پہ بہہ کے آرہے تھے اشکِ چشمِ نم
تھی کیفیتِ عجیبِ شہِ دیں پناہ کی
گر اضطرابِ حد کا بڑھا منہ سے آہ کی

(۴۲)

ہے کیا عجب جو کہتے ہوں یہ سرورِ ہدا
ان کو تو مجھ سے موت نے آکر کیا جدا
سیدانیوں سے جا کے میں لوں کس طرح رضا
پوچھیں گی گر ربابِ انہیں میں کہوں گا کیا؟
جو کچھ گذر گیا وہ بتایا نہ جائے گا
گھر میں کبھی حجاب سے جایا نہ جائے گا

(۴۳)

دیکھیں گی گر ربابِ تو پوچھیں گی یہ ضرور
رن سے اکیلے خیمہ میں آئیں ہیں کیوں حضور؟
بتلائیے تو ہو نہ تپاں قلبِ ناصبور
کس کا لہو جہیں پہ ہے اے کبریا کے نور؟
گھر میں ابھی تو روئی ہوں کڑیل جوان کو
مولا نے کیا کیا چھ مہینے کی جان کو؟

(۴۴)

ہجر پسر میں ہے دلِ بیتاب، بے قرار
خوں سے تمام سرخ ہے ریشِ خضاب دار
جلتی ہوئی زیں پہ بنا آئے کیا مزار؟
گودی میں کیوں نہیں مرا فرزندِ شیرخوار؟
وہ دیکھتی ہوں جو مجھے قسمت دکھاتی ہے
اس خوں سے میرے دودھ کی بوصاف آتی ہے

(۴۵)

حضرت تو اس خیال سے نالاں تھے دم بدم
ڈیوڑھی پہ سب یہ دیکھ رہے تھے ادھر حرم
کہتی تھیں یہ رباب سے زینبِ چشمِ نم
اصغرؑ سے بھی بچھڑ گئے دشتِ ستم میں ہم
رہنا تھا ناگوار جو دنیائے زشت میں
یہ بھی شہید ہو کے سدھارا بہشت میں

(۴۶)

اس غم میں آنسوؤں کا تھمے کس طرح سے تار
اصغرؑ کا داغِ سخت ہے ہر دل پہ، میں نثار
ہم سب جب اُس کے ہجر سے ہیں حد کے بے قرار
تم کو تو زیست ہوئے گی اس غم سے ناگوار
ظاہر ہے اضطرابِ جگر روئے زرد سے
کیونکر تھمیں گے اشکِ کلیجے کے درد سے

(۴۸)

لیکن میں صدقے جاؤں یہ ہے صبر کا مقام
بھائی سے کچھ نہ شکایت کے کچھ کلام
شرمندہ تم سے ہوں گے یوں ہی سرورِ امام
ورنہ مکاں میں دشت سے آجاتے اب امام
سب پھر گئے ہیں سبطِ رسالت مآب سے
گھر میں عجب نہیں جو نہ آئیں حجاب سے

(۴۹)

سن کر کیا رباب نے زینب سے یہ بیاں
کیا تاب لاؤں حرفِ شکایت جو تا زباں
ظاہر ہے مجھ پہ کیفیتِ سروں جہاں
پانی کا مانگنا بھی ہوا فوج پر گراں
اعدائے دیں کو دہشتِ روزِ جزا نہ تھی
رن میں سوالِ آب تھا کوئی خطا نہ تھی

(۵۰)

اس میں امامِ وقت کی ہے کون سی خطا
ظاہر سپہ سے کر رہے تھے دل کا مدعا
ناوک گلے پہ آ کے جو معصوم کے لگا
اک آہ کر کے بیٹھ گئے شاہِ کربلا
آرام جب ملا نہ دلِ پاش پاش کو
مقتل میں روئے سینے سے لپٹا کے لاش کو

(۵۱)

بچے کو پیاس تھی تو اذیت اُنہیں بھی تھی
عاشقِ پدر کے یہ تھے تو الفت اُنہیں بھی تھی
دنیا میں دودھ بڑھنے کی حسرت اُنہیں بھی تھی
اصغر سے میری طرح محبت اُنہیں بھی تھی
روتے تھے شہِ زمیں پہ بنا کر مزار کو
ٹکڑا جگر کا جانتے تھے شیرِ خوار کو

(۵۲)

الفت تھی دو صغیروں سے شہ کو زیادہ تر
اُن دو میں ایک لڑکی ہے اور ایک تھا پسر
اصغر تو باپ ماں کو گئے رن میں چھوڑ کر
زندہ رکھے سکینہ کو خلاقِ بحر و بر
یہ گھر امامِ وقت کو پیارا اسی سے ہے
دونوں کی زندگی کا سہارا اسی سے ہے

(۵۳)

اکثر کہا یہ کرتے ہیں سردارِ دو جہاں
آتا نہیں پسند کبھی وہ مجھے مکاں
جس میں نہ یہ ہو اور نہ مری لاڈلی کی ماں
میں کس زباں سے ان کی محبت کروں بیاں
آتے ہیں یہ بھی شاہِ مدینہ کو دیکھ کر
ہنس دیتے ہیں امام، سکینہ کو دیکھ کر

(۵۴)

حیراں ہوں میں بھی دیر کا باعث ہوا ہے کیا
کیوں رن سے گھر میں آئے نہ اب تک شہِ ہدا
منظورِ طبع ہو جو مری عرض، میں فدا
فضّہ کو حکم دیجئے اے بنتِ مصطفیٰ
عرصہ بہت ہوا شہِ گردوں پناہ کو
ڈیوڑھی پہ جا کے رن سے بلا لائے شاہ کو

(۵۵)

جب آ چکا پسند یہ زینب کو مشورہ
فضّہ کو حکم، شہ کے بلا لانے کا دیا
تا در جب آئی عاشقِ شاہنشہ ہدا
پردے سے منہ نکال کے یہ شہ کو دی صدا
تنہائی کا ملال غریب الوطن پہ ہے
دشوار ہجر بھائی کا گھر میں بہن پہ ہے

(۵۶)

بیت الشرف میں آئیے اب رن سے میں نثار
سیدانیوں کے غم سے کلیجے ہیں بے قرار
ہمشیر شاہ ہے صفت شمع اشکبار
تڑپا رہا ہے بالی سکینہ کو انتظار
دیکھا نہیں جو دیر سے خیمہ میں آپ کو
ضد ماں سے ہے کہ ڈھونڈنے نکلوں گی باپ کو

(۵۷)

تڑپا رہی تھی قلب کو گو غم کی انتہا
گھر میں چلے بجبر پہ سلطان کربلا
آئے مکاں میں جب تو یہ ہمشیر سے کہا
اصغر بھی ہم کو چھوڑ گئے وا مصیبتا
جنگل میں شیرخوار جہاں سے گذر گیا
بچہ ہمارا ہچکیاں لے لے کے مر گیا

(۵۸)

اصغر کی ماں کو آ کے میں کیا اپنا منہ دکھاؤں
کوئی نہ سن سکے گا اگر حالِ دل سناؤں
اعدا بلا رہے ہیں نہ کس طرح مرنے جاؤں
میرا بھی سر جدا ہو تو غم سے نجات پاؤں
آلام و رنج بڑھتے ہیں دنیائے زشت میں
راحت بشر کو ملتی ہے باغِ بہشت میں

(۵۹)

گو ہوگا سب پہ ہجر مرا شاق بے گماں
لیکن ہے جائے صبر کہ ہے وقت امتحان
خوشنودیٰ خدا رہے مطلوب ہر زماں
عشرت کی طرح سے نہ رہے گا غم جہاں
پچھتائے گا فلک بھی مصیبت میں ڈال کے
باقی یہ چاردن نہ رہیں گے ملال کے

(۶۰)

دانستہ کھوئے صبر کی دولت کو کیوں بشر
دیتا ہے جس کا اجر خداوند بحر و بر
دنیا تو ہے ہر اک کے لئے جائے رہ گذر
ہوگا سرائے دہر سے ایک ایک کا سفر
دل چاہیے ملال کے سہنے کے واسطے
کون اس جگہ پہ آیا ہے رہنے کے واسطے

(۶۱)

جب یہ مقام رنج نہیں عافیت سرا
پھر کیوں کروں میں ترک جہاں میں رہ رضا
ہوگا مرا ضرر، نہ کٹے گا اگر گلا
اک دن قضا ضرور ہے، گر بچ گیا تو کیا
کیا جور و ظلم موت نہیں سر نوشت میں
کب تک رہوں گا سرحدِ دنیائے زشت میں

(۶۲)

مرنا ہے جب ضرور تو بہتر ہے یہ مقام
پائے گا آج اجرِ شہادت یہ تشنہ کام
جب وقتِ ذبح چل چکے گی حلق پر حسام
لوں گا خدا سے تاجِ شفاعت میں لا کلام
میرے سبب سے حق نے شفاعت قبول کی
ناجی ہوئی اب آج سے امت رسول کی

(۶۳)

اس امر خاص میں تھا فقط میرے سر سے کام
پر میرے دوست میرے سبب سے ہوئے تمام
جنت میں ہر عزیز نے جاکر کیا مقام
ڈھونڈھوں میں لاکھ پر نہ ملیں گے وہ نیک نام
اس دشت میں پڑی ہوئی میری کمائی ہے
مجھ کو ہر اک نے چھوڑ کے جنت بسائی ہے

(۶۳)

قاسم ہیں اب نہ عون و محمد سے گلغزار
آرام میں ہیں نہر پہ عباس نامدار
برجھی ستم کی ہو چکی اکبر کے دل کے پار
ناوک گلے پہ کھا کے ہوا ذبح شیرخوار
سب کٹ چکی سپاہ غریب الدیار کی
آیا ہوں میں بنا کے لحد شیرخوار کی

(۶۵)

ان سب کے بعد کچھ نہیں اب لطفِ زندگی
رہنا یہاں پسند کروں گا نہ میں کبھی
میں کیا بیاں کروں کہ جو حالت ہے قلب کی
جلدی مرے گلے پہ رواں ہو کہیں چھری
شوقِ لقائے حق ہے ہر اک سے میں کیا ملوں
تجیل ہے کہ قافلے والوں سے جا ملوں

(۶۶)

جلدی بس اے بہن مجھے دو رخصتِ وغا
آمدہ نبرد ہے افواجِ اشقیا
دے میرے غم میں صبر و تحمل تمہیں خدا
ممکن جو ہو سکے تو نہ کرنا بہت بکا
غم میرے بعد ہوگا دلِ پاش پاش پر
رونے نہ دے گا کوئی تمہیں میری لاش پر

(۶۷)

بھائی کا جب بہن نے سنا اس طرح بیاں
دل کی ہجومِ غم سے بڑھیں بے قراریاں
رُخ پر خیالِ ہجر سے آنسو ہوئے رواں
کہنے لگیں یہ زینبؓ ناشاد و خستہ جاں
ہشیر اپنے بھائی کو ہاتھوں سے کھوئے گی
کیا آپ کو بھی عالمِ غربت میں روئے گی

(۶۸)

پردیس میں بہن کا ہے اب کون پردہ دار
سب کے گلے پہ چل چکی تیغِ ستم کی دھار
قاسم ہیں اور نہ اکبر و عباسِ ذی وقار
مقتل میں ذبح ہو گیا اصغرؓ سا گلغزار
غم سب کے ہجر کا ہے دلِ دردناک پر
گودی میں جو پلے تھے وہ سوتے ہیں خاک پر

(۶۹)

تھا یہ خیالِ صبح سے اے شاہِ خوش خصال
جاں دے ہر ایک آپ پہ مرکبِ جدال
اکبرؓ ہوں قتلِ دشت میں، قاسمؓ ہوں پائمال
زندہ مگر جہاں میں رہے فاطمہؓ کا لال
صورتِ ملال و رنج سے نکلے تو چین کی
صدقے سے رد بلا ہو شہِ مشرقین کی

(۷۰)

لیکن نہ ہو سکی کوئی تدبیر کارگر
جس امر کا تھا خوف وہی آ گیا نظر
اپنا بھی سر کٹانے کو ہیں شاہِ بحر و بر
اب کون لے گا دشت میں ناشاد کی خبر
بھائی کو بھی میں کھوؤں گی دنیائے زشت میں
لکھتی ہوئی ہے قید مری سر نوشت میں

(۷۱)

یہ سب مصیبتیں تو ہیں اے فاطمہؓ کے لال
لیکن بہن کو آپ کے وعدہ کا ہے خیال
یہ چاہتی نہیں کہ ہو حضرت کو انفعال
وہ امر کیجئے رہے خوش جس سے ذوالجلال
حاضر ہے دلِ بہن کا مصیبت کے واسطے
سر دیجئے شفاعتِ امت کے واسطے

(۷۲)

یہ کہہ کے بنتِ فاطمہ روئیں جو زار زار
زینبؓ کے ساتھ گھر میں ہوئے شہ بھی اشکبار
بھائی بہن کی رخصتِ آخر ہے یادگار
دونوں کے دل ہیں صدمہ فرقت سے بے قرار

آنکھوں سے اشک چاند سے چہرے پہ آئے ہیں
یہ رو رہی ہیں، شاہ گلے سے لگائے ہیں

(۷۳)

ناموسِ مصطفیٰ نے جو دیکھا یہ ماجرا
زینبؓ کے ساتھ شاہ بھی ہیں مانلِ بکا
یہ دیکھ کر کسی سے تحمل نہ ہو سکا
سب دفعتاً جو روئے تو محشر ہوا بپا

آوازِ نالہائے حرم تا فلک گئی
گودی میں ماں کی بالی سکینہؓ بلک گئی

(۷۴)

کہنے لگی یہ ماں سے وہ ناشاد و دل فگار
رونے کی اہلیتِ نبیؐ میں ہے کیوں پکار
کس کی مفارقت سے کلیجے ہیں بے قرار
اکبرؓ کی لاش لائے ہیں کیا شاہِ نامدار

جان اس ملال و رنج و مصیبت سے کھوؤں گی
میں بھی جوان بھائی کو پھر چل کے روؤں گی

(۷۵)

دل پر پھوپھی کے شاق تھا ہجرِ جواں پسر
گھر میں عجب نہیں جو وہ روتی ہوں لاش پر
یہ سن کے بولی بیٹی سے ماں سوختہ جگر
آیا نہ ہوگا لختِ دل شاہِ بحر و بر

رن کی زمیں ملی ہے تنِ پاش پاش کو
مہلت کہاں اب اتنی جو لائیں وہ لاش کو

(۷۶)

بی بی یہ گھر میں ہے سببِ گریہ و بکا
آئے ہیں سب سے ملنے کو سلطانِ کربلا
پاؤں گی پھر نہ باپ کو دنیا میں فدا
ہونے کو ہیں پھوپھی سے کوئی آن میں جدا

مہمان دم کا ابنِ جناب امیرؓ ہے
بابا کو دیکھ لو کہ یہ صحبتِ اخیر ہے

(۷۷)

سنتے ہی اس بیاں کے ہوا قلب بے قرار
ماں کے گلے لپٹ کے یہ بولی وہ غمگسار
کہیئے گا یہ پدر سے اگر ہو نہ ناگوار
چھوٹی پدر سے گرتو یہ دے دے گی جانِ زار

خود اپنی زندگی کا سہارا نہیں اسے
دم بھر پدر کا ہجر گوارا نہیں اسے

(۷۸)

بیٹی کا یہ ربابؓ نے جس دم سنا بیاں
بولیں دلاسا دے کے نہ گھبراؤ میری جاں
چلتی ہوں تم کو لے کے سوئے شاہِ انس و جاں
تڑپو نہ میری گود میں قربان جائے ماں

آنسو بہانا سیدؓ والا کے سامنے
بی بی ضدیں یہ کچھنیو بابا کے سامنے

(۷۹)

لائیں غرض یہ کہتی ہوئی جب قریب شاہ
کی عرض یہ ربابؓ نے اے فاطمہؓ کے ماہ
حضرت تو سر کٹانے کو جاتے ہیں آہ آہ
سنہیلے گی کس سے بنتِ شہنشاہ دیں پناہ

تڑپے گی میری گود میں بابا سے چھوٹ کر
جینے کی یہ نہیں شہؓ والا سے چھوٹ کر

(۸۰)

اچھا نہیں کسی کو مصیبت میں ڈالنا
جب میں نہ ہوں تو قلب کی حسرت نکالنا
مشکل ہے اس کے رونے سے دل کا سنبھالنا
دشوار ہے ہلی ہوئی بچی کا پالنا
راتوں کو جب نہ پائے گی جنگل میں آپ کو
اٹھ اٹھ کے میری گود سے ڈھونڈے گی آپ کو

(۸۱)

مضطرب ہیں اس خیال سے میرے دل و جگر
ننھا سا دل اٹھا نہ سکے گا غم پدر
عادت ہے صدرِ شاہ پہ سونے کی رات بھر
لڑکی کی کون لے گا سرشام سے خبر
مولا تو دشتِ ظلم میں سوئیں گے چین سے
میں تا بہ صبح روؤں گی بچی کے بین سے

(۸۲)

مجھ سے سنی نہ جائے گی حسرت بھری فغاں
کرتے سے منہ چھپا کے کرے گی جو یہ بیاں
مقتل سے اب نہ آئیں گے کیا سروِ زماں
اماں ہمارے پوچھنے والے گئے کہاں
صدمہ مفارقت کا کلیجے پہ دے گئے
بابا جہاں گئے تھے ہمیں کیوں نہ لے گئے

(۸۳)

جس دم امام دیں نے سکینہ پہ کی نظر
دیکھی وہ کیفیت کہ تڑپنے لگا جگر
گودی میں ماں کی روتی ہے نیوڑھائے اپنا سر
پھیلا کے ہاتھ کہنے لگے شاہِ بحر و بر
منہ آنسوؤں سے رنج و مصیبت میں دھوچکیں
آؤ ہماری گود میں، ماں پاس روچکیں

(۸۴)

تم ہو نہ بے قرار تو آرام ہم بھی پائیں
رنج و ملال و غم، جگر و دل کو کیوں ستائیں
کیوں کڑھ رہی ہو، آؤ گلے سے تمہیں لگائیں
غم ہو اگر چچا کا تو ہم ڈھونڈنے کو جائیں
چھوڑا پدر کو دشت میں منہ سب سے موڑ کے
رن میں چچا کدھر گئے بی بی کو چھوڑ کے

(۸۵)

دیکھی جو یہ محبت سلطانِ حق شناس
چہرہ خوشی سے سرخ ہوا، مٹ گیا ہراس
وہ ہو گیا بحال، جو دل تھا اداس اداس
گودی سے ماں کی آئی یہ کہہ کر پدر کے پاس
سنتی ہوں دل میں قصد کہیں کے سفر کا ہے
بابا بتائیے کہ ارادہ کدھر کا ہے

(۸۶)

ما تھے کو چوم کر یہ کیا شاہ نے بیاں
بی بی تمہیں سناؤں میں کیا غم کی داستاں
پیری میں ہم کو چھوڑ کے اکبر گئے جہاں
جانے کو ہے وہیں پہ یہ ناشاد و خستہ جاں
ہم سے ہمارا گیسوؤں والا بچھڑ گیا
بابا سے رن میں گود کا پالا بچھڑ گیا

(۸۷)

قلبِ حزیں پہ فرقتِ اکبر ہے ناگوار
گھبرا رہی ہے دیر سے سینے میں جانِ زار
آتا نہیں جگر کو کسی طرح سے قرار
دو تم بھی اذن باپ کو بی بی، پدرِ ثار
ہوتے نہیں تپاں دلِ صابر کسی طرح
رکتے نہیں عدم کے مسافر کسی طرح

(۸۸)

گر ہم نہ ہوں گے عالمِ فانی میں میری جاں
 سینے سے اپنے تم کو لگائے رہے گی ماں
 بابا کو یاد کر کے نہ ہونا بہت تپاں
 رن میں کہیں نہ دیں تمہیں غدار گھڑکیاں
 ضد کھینچو نہ لاش تک آنے کے واسطے
 ہم دشت میں نہ ہوں گے بچانے کے واسطے

(۸۹)

یہ کہہ کے اٹھ کھڑے ہوئے سلطانِ کربلا
 گودی میں ماں کی دے کے سکینہ کو یہ کہا
 اک آرزو میں رکھتا ہوں اے غم کی مبتلا
 تم اس کی رکھنا فکر، ہمیں آئے گر قضا
 مقتل میں دور رکھنا تنِ پاش پاش سے
 آکر نہ وقتِ ذبح لپٹ جائے لاش سے

(۹۰)

ہے پرورش کا اس کی اگر کچھ تمہیں خیال
 آساں کرے گا سب یہ خداوندِ ذوالجلال
 میں ذبح ہوں کہ دشتِ ستم میں ہوں پائمال
 تم بھی نہ کھولنا مرے ماتم میں سر کے بال
 بڑھنے سے رنج و غم کے ہراساں نہ ہو کبھی
 انسان مشکلوں میں پریشاں نہ ہو کبھی

(۹۱)

کی عرض یہ رباب نے شہ سے بچشمِ تر
 بہتر ہی ہے جو حکمِ شہنشاہِ بحر و بر
 اس غم کا تا بہ زیست رہے گا مگر اثر
 رویا کروں گی آپ کو خلوت میں بیٹھ کر
 ارماں خیالِ شہ میں نکل جائے گا مرا
 رونے سے قلبِ زار بہل جائے گا مرا

(۹۲)

سن کر بیاں رباب کا دل پر رہی نہ تاب
 روتا ہوا چلا سوئے در ابنِ بوترا ب
 تھے پیچھے پیچھے آلِ نبی با صد اضطراب
 ڈیوڑھی تک آئے شہ تو یہ کہنے لگیں رباب
 دم بھر ٹھہر کے دل مرا تڑپا کے جائے
 تعبیر خواب کی مجھے بتلا کے جائے

(۹۳)

مڑ کر کہا یہ سروِ دیں نے کرو بیاں
 کی عرض یہ رباب نے با نالہ و فغاں
 دم بھر لگی جو آنکھ مری، اے شہِ زماں!
 کیا دیکھتی ہوں میں کہ ہے بحراک طرف رواں
 اک طرح ہے عمیق وہ، پستی میں اوج میں
 ہر دل کی، اضطراب کی صورت ہے، موج میں

(۹۴)

تھا گو وہ بحر باعثِ تقویتِ جگر
 لیکن عجیب کیفیت آئی مجھے نظر
 یکبارگی ہوا سگِ ابلق کا واں گذر
 باہر زباں تھی منہ کے، یہ تھا پیاس کا اثر
 یہ تشنگی سے حال تھا موزی کی جان کا
 تڑپا رہا تھا قلب کو چھالا زبان کا

(۹۵)

تھا تشنہ لب تو پانی پہ آکر وہ گر پڑا
 کس قہر کی وہ پیاس تھی جس کا اثر یہ تھا
 باقی نہ اتنے بحر میں قطرہ کوئی رہا
 پانی وہ ایک سانس میں دریا کا پی گیا
 اس کیفیت سے قلب تعجب میں آ گیا
 سارا وہ بحر ایک شکم میں سما گیا

(۹۵)

یہ کیفیت ہوئی جو مرے قلب پر عیاں
کیا اپنے اضطراب کی حالت کروں بیاں
پانی کا جب نہ نام کو باقی رہا نشان
دل کی طرح تڑپنے لگیں ساری مچھلیاں
آرام مجھ کو خواب میں نایاب ہو گیا
تڑپنی کچھ اس طرح کہ جگر آب ہو گیا

(۹۷)

روئی یہ حال دیکھ کے جب میں میانِ خواب
گھبرا کے آنکھ کھل گئی اے ابنِ بوترا ب
لیکن ابھی تلک ہے وہی دل کو اضطراب
چین آئے کچھ کہیں جو شبہ آسمانِ جناب
راحت نہ یوں ملے گی مجھے اضطراب سے
شاید سکونِ قلب ہو تعبیرِ خواب سے

(۹۸)

کہنے لگے یہ سن کے شبہ آسمانِ جناب
تعبیر سے کچھ اور سوا ہوگا اضطراب
دریا نظر جو آیا ہے تم کو میانِ خواب
وہ بحر بے کنار ہوں میں، اے جگر کباب
ہر موجِ ضوِ لگن ہے سوا شمعِ طور سے
پیدا کیا ہے حق نے اُسے اپنے نور سے

(۹۹)

دیکھا ہے تم نے جو سگِ ابلقِ زبوں خصال
پہچان لو اُسے کہ وہ ہے شمرِ بد مال
جن مچھلیوں کا بحر کے غم میں برا ہے حال
آگاہ ہو وہ سب ہے رسولِ خدا کی آل
کوکبِ خوشی کا غم کی سیاہی میں آئے گا
ہر رانڈ کا جہازِ تباہی میں آئے گا

(۱۰۰)

یہ خواب دے رہا ہے میرے قتل کی خبر
خنجر سے سر کرے گا جدا شمرِ بد گھر
ہو جاؤں گا جو ذبح میں ناشاد و نوحہ گر
غدار تم سمجھو کو پھرائیں گے در بدر
سر ننگے مصطفیٰ کے حرمِ رن سے جائیں گے
سب اک جگہ پہ بیٹھ کے رونے نہ پائیں گے

(۱۰۱)

تعبیرِ خواب کہہ چکا جب کبریا کا نور
چپ ہو گئیں رباب، بڑھے سرورِ غیور
ڈیوڑھی تک آچکے تھے نہ تھا درِ جوشہ سے دور
کی عرض اُٹھ کے پردے نے باہر چلیں حضور
حکمِ امامِ عصرؑ پہ ہوں جاں دیئے ہوئے
سر پر چلوں میں دھوپ میں سایہ کئے ہوئے

(۱۰۲)

باہر نکل کے آپ نے مڑ کر کہا نہیں
ہم دھوپ ہی میں جائیں گے سوئے سپاہِ کیں
یہ کہہ کے ذوالجناح تک آئے شبہ میں
دیکھا فرس نے بھی جو سوئے بادشاہِ دیں
دل دیدہ شبہ سے خوش ہوا دوری کے غم گئے
جو گر رہے تھے اشکِ زمیں پر، وہ تھم گئے

(۱۰۳)

اللہ رے لطف و مرحمتِ خسروِ مبین
روتا اُسے جو دیکھ لیا دل ہوا حزیں
قربِ فرس تو آچکے تھے بادشاہِ دیں
مولّا نے باگِ ہاتھ میں لی چوم کر جبیں
جلوہ کیا سمند پہ زہرا کے پھول نے
پایا پھر اوجِ راکبِ دوشِ رسول نے

(۱۰۴)

اب کیا تھا بادِ تند جہاں تھا، فرس نہ تھا
 مولاً ہوئے سوار یہ رن کی طرف چلا
 اٹھی قدم کو چوم کے گیتی سے گردِ پا
 آگے چلے غبار ہٹاتے ہوئے ہوا
 موقع نہ تھا جو دشت و غا میں درنگ کا
 دم بھر میں صاف کر دیا میدان جنگ کا

(۱۰۵)

اللہ رے ذوالجناحِ شبہ دیں کی شونیاں
 بالائے خاک پاؤں کا رکھنا بھی تھا گراں
 سُم کا نہ تھا جو صفحہ گیتی پہ کچھ نشان
 حیرت سے دیکھتی تھی زمیں سوئے آسمان
 فکر اس کی تھی ہوا کی بھی تیزی سے بڑھ گیا
 کیا چرخ پر غبار کے پردے میں چڑھ گیا

(۱۰۶)

جس دل میں اس کی فکر ہو اس سے نہاں نہیں
 اس کی سبک روی تو کسی پر گراں نہیں
 خود اس کے سائے پر بھی یہ سرعت عیاں نہیں
 معلوم ہی نہ تھا کہ کہاں ہے کہاں نہیں
 جنگل میں تنخمِ مزرعِ سرعت کو بو گیا
 اللہ ری ناز کی کہ ہوا بن کے سو گیا

(۱۰۷)

بے اختیار بھی تھا روانی پہ بس بھی تھا
 آزاد بھی تھا قیدیِ دامِ نفس بھی تھا
 تلوار کی طرح خمِ ابرو میں کس بھی تھا
 جادو کی چال بھی تھی، مسیحا نفس بھی تھا
 اعجاز رن کی دھوپ میں طُرفہ دکھا گیا
 دو گام چل کے سائے کو اپنے جلا گیا

(۱۰۸)

اس کے گراں قدم سے بھی حیرت میں تھی ہوا
 ملتا ہوا خرامِ نسیمِ سحر سے تھا
 گل ہو گیا قدم سے جو غنچہ کوئی دبا
 بر لائی اس کی چال کسی دل کا مدعا
 بدلا الم سرور سے قلبِ ملول نے
 گھوڑے کے پاؤں چوم لئے کھل کے پھول نے

(۱۰۹)

کس سے بیاں فرس کی ہوں معجز نمایاں
 ہو مثلِ آسیا جو کبھی دشت میں رواں
 کاوے کا آپ اپنے اگر لے یہ امتحان
 گردشِ زمین کھانے لگے، شکلِ آسمان
 رنگِ جہاں فرس کی روانی سے اور ہو
 ذروں کا آج صورتِ سیارہ دور ہو

(۱۱۰)

اس کی روانیوں کی ہے دہشت کہاں کہاں
 مرضی پہ اس کی رنگ بدلتا ہے آسمان
 ہے بھی تو یوں ہے گردشِ سیارگاں عیاں
 گر یہ تھمتھمیں، جو رواں ہو تو ہو رواں
 اسرار وہ نہاں میں نہیں جو عیاں میں (ہیں)
 وابستہ اس کی چال سے ہر اک جہاں میں (ہیں)

(۱۱۱)

گردوں پہ ہے جو مہرِ رواں ہمرہ رکاب
 جائے کہیں جو یہ سوئے خیمہ بصدِ شتاب
 ہو شرق میں رواں عوضِ غربِ آفتاب
 پلٹے اگر سمند تو آ جائے انقلاب
 اس حد پہ الٹی گردشِ دورِ سپہر ہو
 گردوں پہ ماہ، زیرِ زمیں روئے مہر ہو

(۱۱۲)

سرعت سے اس کی دنگ نہ کس طرح ہوں ملک
پاتے نہیں نشانِ فرسِ رن میں مر دمک
آہستگی سے یوں نہ پہنچتا ہے چرخ تک
شعلے کا جس طرح سے دھواں جائے تا فلک
ذہن اس کے ساتھ جا نہ سکا یہ جہاں گیا
ظاہر بھی یہ ہوا نہ، کہاں سے کہاں گیا

(۱۱۳)

گر غور کیجئے تو نظر کو ملے نشان
قبضہ کئے فلک پہ ہے، گیتی پہ ہے رواں
ہے محو دیدِ اسپ جو جھک جھک کے آسماں
آئینہ سپہر میں عکس اس کا ہے عیاں
ہے ذہن کی طرح سے عیاں مردمک پہ بھی
دیکھو فرسِ زمین پہ بھی ہے، فلک پہ بھی

(۱۱۴)

ایسا سمند کیوں نہ جہاں میں ہو بے مثال
ہر چیز میں ہوا کی طرح ہے خلا محال
ہوگا ذرا سی فکر میں سب منکشف یہ حال
دیکھو تو اس طریق سے دیکھو فرس کی چال
سب کیفیت کہے گا تصور، کہیں یہ ہو
دیکھو نظر اٹھا کے جہاں پر، وہیں یہ ہو

(۱۱۵)

ہٹ جائے گر ذرا بھی تصور دمِ بیاں
پائے نہ پھر زمین سے تا آسماں نشان
آئے نظر وجود و عدم اس کا ایک ساں
دیکھے جہاں نگاہ، وہیں پر ہو یہ نہاں
آساں محال ہو اسے مشکل میں دیکھ لو
بند آنکھیں کر کے آئینہ دل میں دیکھو لو

(۱۱۶)

حیرت بڑھے نہ کیوں دمِ رفتارِ راہوار
ظاہر میں ہے چھپا ہوا باطن میں آشکار
یوں جا رہا ہے یہ سوئے میدانِ کارزار
جس طرح درد کی ہو چمک دل میں بار بار
خود اس کی اُس سے چھپ نہیں سکتی خبر کبھی
گر چاہو دیکھنا تو نہ آئے نظر کبھی

(۱۱۷)

ملتا نہ ذوالجناح کا رن میں نشان کہیں
لیکن بتا رہی ہے لرزتی ہوئی زمیں
گو انتظارِ اسپ میں ہے فوجِ اہل کیں
آنکھیں لڑی ہوئیں ہیں پہ ظاہر خبر نہیں
بیٹابیوں سے ہوش میں کوئی جواں نہیں
بتلا رہے ہیں دل کہ یہاں ہے وہاں نہیں

(۱۱۸)

ہٹ جائے گرد اگر تو کھلے حالِ راہوار
شونخی سے ہے جو خاک کے پردے میں بے قرار
ہوتی ہے یوں چمک سی نمایاں (پس) غبار
بجلی ہو جس طرح سے تہہ ابر آشکار
حیرت میں، اضطراب میں فوجِ عدو رہے
گر دیکھ بھی لیا تو وہی جستجو رہے

(۱۱۹)

حیرت میں اس کی چال سے تھا لشکرِ گراں
سم کے زمینِ دشت پہ ملتے نہ تھے نشان
گیتی سے چھپ کے تھا جو رواں سوئے آسماں
ضو جلد کی غبار کے پردے سے تھی عیاں
اُڑتا تھا ہوش سر سے ہر اک شیخ و شاب کا
دھوکا تھا اسپِ خاک پہ، برق و سحاب کا

(۱۲۰)

قربِ سپاہِ روک نہ لیتے جو شاہدیں
بُٹی نہ گردِ راہ، نہ آتا نظر کہیں
گھوڑے پہ دفعتاً جو پڑی چشمِ اہل کیں
گھبرا کے دل پکار اُٹھے لو وہ ہے یہیں
آیا ہے سامنے سے یہ گھوڑا کہ پھیر کے
آنکھوں کو اشتیاق اسی کا تھا دیر سے

(۱۲۱)

جب گردِ ہٹ گئی تو ملا اسپ کا نشان
تھی خاک، جس کو ابرِ سمجھتے تھے دیدباں
دھوکا زمینِ دشت کا دیتا تھا آسماں
تھی دامنِ غبار میں بجلی خدا کی شاں
تھے جو ترقی نشان وہ زمیں کے طبق کے تھے
جو بوندیاں گریں تھیں، وہ قطرے عرق کے تھے

(۱۲۲)

رفتارِ اسپِ شہ سے تھیر میں تھی سپاہ
ظاہر ہوا فرس تو کھلی خوفِ دل کی راہ
پھیلے ہوئے غبار نے رن کر دیا سیاہ
گھبرا کے قلبِ تنگ سے نکلی لبوں تک آہ
طرفہ اثر یہ گردشِ قسمت دکھا گئی
ہر دل میں بے لڑے ہوئے دہشت سما گئی

(۱۲۳)

اک دوسرے سے مڑ کے یہ کہتا تھا بار بار
اچھی نہیں ہے کیفیتِ دشتِ کارزار
رن بولنے سے قلب کو ہوتا ہے انتشار
آنکھیں دکھا رہا ہے ہر اک ذرّہ غبار
ہلتی تھی دل کی طرح زمیں رزم گاہ کی
ظاہر تھا ہر گولے سے، گیتی نے آہ کی

(۱۲۴)

آفت کرے گی دشت میں گھوڑے کی جست و خیز
دم بھر میں گرم ہوئے گا ہنگامہ ستیز
ہے خوفناک بن صفتِ دشتِ رست خیز
رن سے قدم اُٹھا رہی ہے بادِ تند و تیز
اچھے نہیں ہیں غمِ دلِ اندوہناک کے
گھیرا ہے ہر طرف سے گولوں نے خاک کے

(۱۲۵)

موت اپنی گر پسند نہ کرتے شہِ زماں
ہوتا تباہ دشت میں گلِ لشکرِ گراں
مانندِ قومِ عاد نہ ملتا کہیں نشان
بربادی سپاہ کو کافی تھیں آندھیاں
رن میں بلند ہو کے گری یا فنا ہوئی
فوجِ ستم کا حال نہ کھلتا تھا کیا ہوئی

(۱۲۶)

باعثِ یہی تو تھا جو تھی، دشت میں ہوا
کچھ دیر میں حواسِ سپہ جب ہوئے بجا
مشغولِ جنگ اُدھر تو ہوئے بانیِ جفا
گھوڑے نے ہنہنا کے مخاطب اُدھر کیا
تم سب سے شوقِ جنگ و جدل کا مزید ہے
یہ وہ سوار ہے جو وحید و فرید ہے

(۱۲۷)

کرتا ہوں تم کو شہ کے ارادے سے ہوشیار
دم بھر میں ہوگا وقتِ وغا حشر آشکار
آیا نہیں ہے اور کوئی وقتِ گیر و دار
ہے آج یہ نبیٰ کے نواسے کی کارزار
کس کس کو دشتِ جنگ میں شوقِ نبرد ہے
نکلی ہے جس کے گھر سے شجاعت، وہ مرد ہے

(۱۲۸)

پنہاں نہیں ہے اِن کے گھرانے کی صفدری
ایسے ابھی تلک تو نہ پیدا ہوئے جری
یوں اِس جہاں میں دے گئے دادِ غضفری
کندہ ہے سطحِ خاک پہ نقشِ دلاوری
(دھبے لہو کے تیغ کی ہر آستیں میں ہیں
ہے دھاک اِن کی دہریں، گو خود زمیں میں ہیں)

(۱۲۹)

اجداد اِن کے سب تھے دلیری میں نیک نام
تین ان میں پر جری ہوئے مشہور خاص و عام
مثل اُن کا اِس جہاں میں نہ اب ہوگا لاکلام
تلوار کی زباں پہ ہے جاری ہر اک کا نام
چلنے سے ہوتی ہے جو کمی دل کے درد میں
تغیثیں اُنہیں پکارتی ہیں ہر نبرد میں

(۱۳۰)

ہیں اُن میں پہلے حضرت حمزہؓ فلک مقام
جو تھے جہاں میں جدِ شہنشاہِ تشنہ کام
جن کا کبھی ہٹا نہ دمِ جنگ ایک گام
خونِ عدو میں غرق رہا کرتی تھی حسام
گیتی اُحد کی جنگ میں لاشوں سے پاٹ دی
آخر اُسی لڑائی میں عمر اپنی کاٹ دی

(۱۳۱)

مشہور بعد اُن کے ہوئے جعفرؓ جری
جن کو رسولِ حق نے عطا کی تھی افسری
پاکر نشانِ فوج بڑھی اور صفدری
دی ہر وغا میں لشکرِ اعدا کو ابتری
ہر ایک ہوشِ جنگ کے ہوتے ہی کھو گئے
شانے کٹا کے جعفرِ طیار ہو گئے

(۱۳۲)

ہے تیسرا وہ چرخِ شجاعت کا آفتاب
جس کو دیا رسولؐ نے کزار کا خطاب
زہرے کئے وغا میں دلیروں کے آبِ آب
پلٹے ہر اک نبرد سے منصور و فتیاب
آنکھوں میں تیغِ تیز کی اب تک چمک رہی
ایسی شکست دی کہ وہ یاد آج تک رہی

(۱۳۳)

کون اِس طرح لڑا ہے بھلا زیرِ آسماں
مشہور خاص و عام ہیں جن کی لڑائیاں
بدر و حنین و خیبر و صفین و نہرواں
برسا ہے ابرِ تیغ کا پانی کہاں کہاں
دامنِ عدو کا کفر کے کانٹوں سے بھر دیا
سرسبز دم میں گلشنِ اسلام کر دیا

(۱۳۴)

واقف جہاں میں جو ہو وہ کر سکتا ہے بیاں
کب مجھ سے بڑھ کے دیکھی ہیں کس نے لڑائیاں
ہوتا تھا ہر نبرد و وغا میں میں زیرِ راں
ہے زانوؤں کا پہلوؤں میں آج تک نشان
کم ہے مری نگاہ میں عزتِ گلاب کی
خوشبو مرے پسینے میں ہے بوتراں کی

(۱۳۵)

ہے فخر اس کا تو کہ قدیمی ہے خانہ زاد
جو مجھ کو یاد ہے وہ نہ ہوگا کسی کو یاد
برسوں علیؓ کے ساتھ رہا گو دمِ جہاد
الفت مگر حسینؓ سے رکھتا ہوں میں زیاد
کیوں دخل ہو یہاں نہ محبت کی راہ کو
میں نے ہی گودیوں میں کھلایا ہے شاہ کو

(۱۳۶)

اک روز کا سناؤں میں تم سب کو ماجرا
میرا جو مسجد نبوی میں گذر ہوا
زانو پہ تھے رسولِ خدا کے شہ ہدا
کم سن تھا انتہا کا جگر بندِ مصطفیٰ
دن تھے، خوشی کے، دور تھی صورتِ ملال کی
اُس وقت عمر ہوئے گی دو تین سال کی

(۱۳۷)

نزدِ رسولِ جمع تھے اصحابِ با وفا
نانا سے اپنے کھیل رہا تھا یہ مہ لقا
ہے یاد آج تک مجھے اُس دن کا واقعا
میرا شباب تھا مرے مولّا کا بچپنا
مانندِ انقلابِ جہاں سن گذر گئے
باتیں وہ یاد رہ گئیں گو دن گذر گئے

(۱۳۸)

جب مجھ پہ شاہزادہٗ عالم نے کی نظر
فرمایا حکم اشارہٗ سر سے کہ آ ادھر
دیکھی جو یہ توجہ سلطانِ بحر و بر
اصحاب جس قدر تھے ہوئے اُس سے بانجر
گودی میں چاہا لے لیں شہِ مشرقین کو
ہم سب بٹھا دیں فاطمہ کے نورِ عین کو

(۱۳۹)

اصحاب سے رسولِ خدا نے یہ پھر کہا
جلدی نہ اس میں چاہئے ٹھہرو ابھی ذرا
حضرت تو جانتے تھے مرے دل کا مدعا
یاں میں قریب سبطِ پیمر پہنچ گیا
گھٹنوں کو اپنے ٹیک چکا جب زمین پر
میں نے سوار کر لیا مولّا کو زین پر

(۱۴۰)

دیکھا کیئے رسولِ خداوندِ مشرقین
میں جانتا تھا اُن کی اطاعت کو فرضِ عین
جب ہو چکا سوار بن فاتحِ حنین
اٹھا کچھ اس طرح سے کہ سنبھلے رہے حسین
(پتلی زمیں سے سم کی مری آشنا نہ تھی
گو تھا بسانِ برق پہ جنبش ذرا نہ تھی)

(۱۴۱)

اچھی طرح جو بھر چکا زہرا کا نورِ عین
ہجر پسر میں تھا نہ ادھر مصطفیٰ کو چین
لایا ادھر میں قربِ شہنشاہِ مشرقین
بیٹھے تھے جس طرح اُتر آئے یونہی حسین
زہرا کا گل کھلا تو کلی دل کی کھل گئی
خوش یہ ہوئے تو دولتِ کونین مل گئی

(۱۴۲)

حیواں تو یہ خیال کریں وائے بر شہا
انسان ہو کے کرتے ہو اس طرح کی خطا
قتل ان کا پہلے سوچ لو، اچھا ہے یا بُرا
عالم میں کیا نہیں یہ جگر بندِ مصطفیٰ
اپنے امامِ وقت کا گر خوں بہاؤ گے
مرنے کے بعد سیدھے جہنم میں جاؤ گے

(۱۴۳)

بہتر ہے مان لو، جو نہ مانو تو ہم کو کیا
کام اک کے دوسرے کا نہ اعمال آئے گا
قبریں اسی سبب سے ہیں سب کی جدا جدا
سمجھو تو خیر، ورنہ بڑھو اب پئے ونا
گلزار پر تپش سے نہ صحرا پہ روپ ہے
فرقِ امامِ عصرؑ پہ عرصے سے دھوپ ہے

(۱۴۴)

حیوان کے کلام سے بگڑا ہر اک بشر
بہر وفا بڑھی سوئے شہ فوج بد گہر
آئے جو تیر بے ادبانہ اٹھائے سر
کی مڑ کے ذوالفقار پہ شیر نے نظر
باہر تڑپ کے یوں یہ دل آزار آگئی
قبضے پہ ہاتھ، ہاتھ میں تلوار آگئی

(۱۴۵)

باہر جو آئی نام علیٰ لے کے ذوالفقار
سر آسمان کا جھک گیا اللہ رے وقار
جبریل سے پکار کے کہتی تھی بار بار
کاٹھی سے پھر میں نکلی ہوں، گیتی سے ہوشیار
پیک اجل کی دوست ہوں، بجلی سے بیر ہے
منظور برجھیوں کے قبیلوں کی سیر ہے

(۱۴۶)

پھر حکم کردگار کو لاؤ گے یا نہیں
جنات کے بچانے کو آؤ گے یا نہیں
برسوں کے بعد شکل دکھاؤ گے یا نہیں
پھر پر زمیں کے نیچے بچھاؤ گے یا نہیں
لاشوں سے سرکشی کے گڑھے پاؤں چلوں
مل جائیں راہ میں تو انہیں کاؤں چلوں

(۱۴۷)

مرغوب طبع تیغ کے تھے رن میں آؤ جاؤ
اٹھڑ پنا وہ تھا کہ نہ تھا ایک سے لگاؤ
بے باکیاں یہ کہتی تھیں، کیا دے رہے ہولاؤ
ظالم کی سادگی میں قیامت کا تھا بناؤ
ایسی ادائیں تھیں کہ کلیجوں کے پار تھیں
پروانہ وار حُسن پہ روئیں نثار تھیں

(۱۴۸)

پایا جو شوق (دید) میں زندوں کو مضحل
تجھبی (مرے) فراق کا صدمہ ہے جانگسل
کہنے لگی پکار کے کیوں مضطرب ہے دل
اچھا یہی خوشی ہے، تو لے آگے سے مل
میں مانتی نہیں جو تجھے ہجر شاق ہے
خواہاں اجل کا ہے تو مرا اشتیاق ہے

(۱۴۹)

جاں لے رہی تھی لشکرِ اعدا کی دودو
یہ پاس آگئی تو رہی پھر نہ آرزو
ماہی کی طرح نیم بریدہ کیا گلو
دامن میں اپنے (لے) گئی بہتا ہوا لہو
گو باخبر تھا عشق سے پر بے خبر گرا
یہ ہٹ گئی جگر سے وہ دل تھام کر گرا

(۱۵۰)

دیتی تھی دم بدم یہ صدا رن میں ذوالفقار
جنگِ احد سے میری روانی ہے آشکار
شیرِ خدا کے ساتھ رہی وقتِ گیرودار
براعلم تلک مری برش کی ہے پکار
انبوہ سے ڈرا نہ دلِ مطمئن مرا
عالم میں لوہا مانتے ہیں انس و جن مرا

(۱۵۱)

نازک بسان گل ہے مرا جسمِ اس قدر
ہوتا شکم میں کچھ تو اسے دیکھتے بشر
(رکھتی نہ تھی جوتن میں میں اصلی دل و جگر)
شکلِ بشر کی آنے لگی کیفیت نظر
خالی کدورتوں سے مرا سینہ ہو گیا
تن اس قدر تھا صاف کہ آئینہ ہو گیا

(۱۵۲)

کرتے تھے پیار جب مجھے سلطان انس و جاں
حیدر کی مہربانیاں ہو جاتی تھیں عیاں
نازک یہ جلد تھی کہ ہر اک لب کا تھا نشان
جوہر وہاں (بنے) مجھے چوما جہاں جہاں
ان کے کرم سے بانی بیداد ہو گئی
لوہے میں رنگ آ گیا فولاد ہو گئی

(۱۵۳)

تھا مجھ سے کون بڑھ کے زمانے میں محترم
یہ مجھ پہ خاص تھا مرے اللہ کا کرم
زہرا کے فرشِ خواب پہ جاتی تھی دمبدم
ممکن نہ تھا جو اور کوئی رکھ سکے قدم
کیوں ہوتی وقتِ خواب کوئی بیکلی مجھے
زہرا کے ساتھ سوئے ہیں لے کر علیٰ مجھے

(۱۵۴)

آئی زمیں پہ چرخ سے جب بہرِ کارزار
عز و شرف ہوا مرا عالم پہ آشکار
ہے مثل میرے کون گراں قدر و با وقار
اٹھا نہ اک کے ہاتھ سے دنیا میں میرا بار
مشکل سے میں نیام کے باہر نکلتی ہوں
چلتی بھی ہوں تو زورِ امامت سے چلتی ہوں

(۱۵۵)

وہ دوپہر کا وقت، وہ گرمی، وہ کارزار
وہ مہر کی تپش، وہ ہر اک تنغِ شعلہ بار
وہ خنخروں کی گرم زبانیں وہ تیز دھار
ہر جسم میں وہ زخم کی سوزش وہ احتضار
راحت تنوں سے بھی یہ نکل کر نہ پاتی تھیں
روحیں تڑپ تڑپ کے جہنم میں جاتی تھیں

(۱۵۶)

تھے دھوپ کی تپش سے لبِ گور نیم جاں
شعلہ علم ہے دامنِ شعلہ ہے بادباں
ہوتی ہے وقتِ دیدِ نظر پر چمک گراں
بجلی بنا ہوا تھا ہر اک پنچہ نشان
ایسے قریب و دور چکا چونند جاتی ہے
جنش ہوئی تو برق سی اک کوند جاتی ہے

(۱۵۷)

گرمی ہے رن کی روزِ قیامت سی بے حساب
ممکن کہاں تپش سے جو سینے نہ ہوں کباب
چار آنسو کو غور سے دیکھیں تو شیخ و شاب
پیدا اک آفتاب سے ہیں لاکھ آفتاب
(عالم میں دن گذر گئے سبزے کے روپ کے
کوسوں زمیں پہ دھوپ میں ٹکڑے ہیں دھوپ کے)

(۱۵۸)

پھیلا ہوا تھا چار طرف دشت میں دھواں
تینیں بسانِ سنگ تھیں رن میں شررِ فناں
کس حد پہ تھی حرارتِ خورشیدِ آسمان
اندازہ اس کا ہو نہیں سکتا دمِ بیاں
ایسی لگی تھی آگ زمیں آسمان میں
ضربُ المثل جو آج تلک ہے جہان میں

(۱۵۹)

لرزاں شبِ دہم سے تھے اشجار و بحر و بر
اس دن کا شام سے ہی ہر اک شے پہ تھا اثر
گیتی کے دل کی طرح لرزتے تھے بام و در
تھی قبل ہی سے گرمیِ عاشور کی خبر
راحت نہ تھی جو قسمتِ بد کے بگاڑ میں
سوئے بھی تھے طیور تو پتوں کی آڑ میں

(۱۶۰)

خائف زمیں کی طرح تھے سکاں آسمان
ظلمت نہ تھی جلے ہوئے دل کا یہ تھا دھواں
پچھلے سے تھے جو حشر کے سماں بہت عیاں
شب کا سحر کے ہوتے ہی باقی نہ تھا نشان
قبل طلوع مہر اذیت اٹھا گئی
پہلے سے رات اندھے کوؤں میں سما گئی

(۱۶۱)

اپنی تپش سے مہر کا خود قلب تھا کباب
لرزاں کیے ہوئے تھا کلیجے کا اضطراب
گردش دکھا رہا تھا زمانہ کا انقلاب
آگے نسیم صبح چلی، پیچھے آفتاب
اس حد پہ اتنی دھوپ تھی ایذا دیئے ہوئے
دامن تھا بادِ سرد کا منہ پر لئے ہوئے

(۱۶۲)

تڑپا رہی تھی شدت گرمی آفتاب
کھاتا تھا جوش بن کے لہو کی طرح سے آب
یہ بحر کے پسینے کے قطرے ہیں یا حباب
کہتے ہیں جس کو موت، ہے دریا کا اضطراب
باقی جو ذائقہ نہ رہا تھا حیات کا
خود کروٹیں بدلتا تھا پانی فرات کا

(۱۶۳)

گرمی سے بادِ سام تھی خود رن میں بیقرار
وقتِ خرام دھوپ جو ہوتی تھی ناگوار
چلتی بھی تھی جو (ریت) میں اس طرح بار بار
منہ پر رکھے ہوئے تھی ہوا دامنِ غبار
کب مہر کی تپش کی نظر تاب لاتی تھی
حدت وہ تھی کہ آنکھ ملائی نہ جاتی تھی

(۱۶۴)

کس سے بیاں ہو حدتِ میدانِ کارزار
کانٹوں کی طرح دشت میں بجھے ہوئے تھے تار
پایا کسی طرح کسی پہلو نہ جب قرار
ذرے بلند ہو کے چلے ہمہ غبار
(ترک جہاں کیا ہوسِ چرخِ پیر میں
چنگاریاں چلیں کرہ زمہریر میں)

(۱۶۵)

گو قربِ فوجِ ظلم تھا ستوں کا اژدہام
دل کی لگی بجھا رہے تھے ساکنانِ شام
(حملوں کی سعی لاتی تھی پانی کے سرد جام)
ہوتی تھی سوزِ دل سے مگر زندگی تمام
کھینچی تڑپ کے آہ تو صورت بدل گئی
سینے سے سانس ساتھ دھوئیں کے نکل گئی

(۱۶۶)

پی پی کے پانی لڑتی تھی افواجِ نابکار
مولاً بغیر آب تھے مصروفِ کارزار
آفت بپا کئے ہوئے تھی تیغِ شعلہ بار
بتلا رہی تھی گرد ہر اک دل کا انتشار
خنجر کی طرح دھوپ میں نیزے چمک چکے
دل سب نے رن میں چھوڑ دیئے، ہاتھ تھک چکے

(۱۶۷)

محشرِ صفوفِ اوّل و آخر میں ہے بپا
دکھلا رہی ہے رنگ نیا تیغِ برقِ زا
اس کی چمک سے عقل نہیں دھوپ میں بجا
یہ قتل ہو گیا، تو وہ سمجھا میں دو ہوا
ہوتے تھے خیرہ دیدہ وحش و طیور تک
جاتی ہے چھوٹ تیغ کی میداں میں دور تک

(۱۶۸)

مولّا عقب سے لیجئے فوجوں کا امتحاں
دم بھر میں بھاگا چاہتا ہے لشکرِ گراں
واں تو یہ گرد کر رہی ہے دمبدم بیاں
یاں بڑھ چکے ہیں غیظ میں سلطانِ انس و جاں
منظور خود یہ ہے شہِ گردوں جناب کو
اب دو شکست لشکرِ خانہ خراب کو

(۱۶۹)

اتنا خیال آتے ہی محشر ہوا بپا
انبوہ فوجِ شام کو یوں منتشر کیا
گھوڑا بڑھا سروں پہ گری تیغِ شعلہ زار
جھپٹے بڑے جلال میں سلطانِ کربلا
تلوار دہنے بائیں لگاتے ہوئے چلے
زورِ یدِ الہی کو دکھاتے ہوئے چلے

(۱۷۰)

دو ہو رہے تھے مرحب و عشر سے پہلواں
سالم نہ تھا سپہر کی طرح مغفرِ گراں
ریتی پہ سرد ہو چکے تھے گر کے نیم جاں
سناں پڑے تھے (تیغوں) سے اجڑے ہوئے مکاں
دل برقِ ذوالفقار سے شیروں کا جل چکا
کہتی تھی چینِ فرشِ زمیں دم نکل چکا

(۱۷۱)

تلوار نے دکھا دیا طرفہ یہ سانحہ
آبادہ فرار ہوئے رن میں اشتقا
تھی جس طرف کو پشتِ ادھر منہ سپہ کا تھا
لشکر دبا کے لے چلے سلطانِ کربلا
نکلا ہراسِ قلب کے شیشے کو توڑ کے
بھاگا رئیسِ فوج بھی خنجر کو چھوڑ کے

(۱۷۲)

جب حدِ دشتِ جنگ سے باہر گئے قدم
تلوار روک کر یہ پکارے شہِ امّ
حملہ مرا یہ پہلا تھا اے لشکرِ ستم
تم جتنی دیر جمع ہو، دم لے لیں اتنا ہم
(اس سے تھمے کہ پیاس سے حال اپنا غیر ہے
پھر ہم ہیں، فوجِ شام ہے، کوفے کی سیر ہے)

(۱۷۳)

یہ کہہ کے اُس مقام تک آئے شہِ ہدا
پہلے جہاں ہوئی تھی لڑائی کی ابتدا
لشکر چلا ادھر تو سوئے وادیِ ونا
تھی اس طرف یہ حالتِ سلطانِ کربلا
تڑپا رہے ہیں غم جو فلک کے دیئے ہوئے
دم لے رہے ہیں نیزے پہ تکیہ کئے ہوئے

(۱۷۴)

جب تک کریں حضورِ لڑائی کا انتظار
اے شوقِ جذبِ ساقیِ تسنیم کو پکار
بجرِ نجف میں ہو نہ زیادہ تو بیقرار
لے دے کے سامنے نظر آتا ہے وہ دیار
باتیں ابھی تو چاہیے ہیں تجھ کو ہوش کی
کر غور اگر تو آئے صدا مئے کے جوش کی

(۱۷۵)

کھویا وہ میے نے ہوش وہ شیشوں نے دی صدا
دو گام کیا بڑھا کہ نجف میں پہنچ گیا
اب کیا تھا، یہ تڑپ کے دلِ زار نے کہا
آیا ہوں جنگ چھوڑ کے ہو خیر ساقیا
بے حد تپاں ہے دل ہوں وصلِ حور میں
دو آتشہ شراب دے جامِ بلور میں

(۱۷۶)

ساغر پہ پڑ کے پھر نہ ہٹے رند کی نظر
دیکھوں جہاں، جہاں کا نگاہیں کریں سفر
دھلائے جام مئے ترے اعجاز کا اثر
لے لوں جو ہاتھ میں تو جہاں کی ملے خبر
کیفیتِ نظارہ ہو جامِ بلور میں
ہو موج مئے شکن جو پڑے زلف حور میں

(۱۷۷)

درِ نجف کے جام میں گر ڈال دے شراب
جامِ جہاں نما بھی نہ پھر دے سکے جواب
اعجاز تیرا دیکھ لے ہر ایک شیخ و شاب
پیدا اک آفتاب سے ہوں گیارہ آفتاب
باریک ہیں کلامِ دلِ ناصبور کے
گیارہ اک آفتاب سے حصے ہوں نور کے

(۱۷۸)

محفل میں فیضِ عام ترا ہو اگر عیاں
بدلے نگاہِ دخترِ رز رنگِ آسمان
اب اور اس سے بڑھ کے ہو کیا ہجر میہ گراں
(سائنس اُلٹی سیدھی لیں جو صراحی کی ہچکیاں)
رنگ اُس طرف تو ساغر مئے کا بدل گیا
سمجھا میں اِس طرف کہ مرا دم نکل گیا

(۱۷۹)

پہنچا ہے ہجرِ دخترِ رز سے یہ حالِ زار
پیغامِ موت آتا ہے بچکی سے بار بار
ہے ساقیا اگر مری صحت کا خواستگار
جلدی دوا یہ کر مری ہنگامِ احتضار
(ہرگز میں مئے کے ہوتے پیوں گانہ آب میں
خاکِ شفا کو گھول کے دے دے شراب میں)

(۱۸۰)

دے اپنی بزم میں نہ مقطر مجھے شراب
صدقہ تری عطا کا کرم کا ملے شتاب
عصیاں کے درد سے مجھے بیحد ہے اضطراب
وہ کیوں نہ لوں کہ جس میں ہو، ہم خرما ہم ثواب
جس کا فراق شاق ہے وہ مئے بلا کے دے
ہاں ہاں تو ساقیا مجھے مٹی ملا کے دے

(۱۸۱)

دردِ دل و جگر سے تڑپتا ہوں روز و شب
جو کر بلا سے اُنس ہے وہ جانتے ہیں سب
اس کا بھی ہجر مئے کی طرح دیتا ہے تعب
مرغوبِ طبعِ رند نہ کیوں ہو ہر اک عنب
بے ہوشیوں میں دردِ جگر کی دوا کہوں
انگور کو میں صرہِ خاکِ شفا کہوں

(۱۸۲)

ہاتھوں پہ میرے تھا جو مہکتا ہوا ایان
اِس آرزو نے بھر دیا میکش کے دل کا داغ
ختکی جگر تک آئی معطر ہوا دماغ
خوشبو وہ پائی جس سے ہوا قلب باغِ باغ
باقی رہی ہوس نہ کوئی دل ملول کی
اس پھول میں ہے بومرے ساقی کے پھول کی

(۱۸۳)

میدان میں جمع ہو رہی ہے فوجِ اہلِ کیں
برہم کھڑے ہیں دشتِ وغا میں امامِ دیں
کہنی تک آج غیظ میں اُلٹے ہیں آستین
آئے نہ میری بات کا ساقی اگر یقین
کر سرخ اور مئے سے مرے روئے زرد کو
گردن اٹھا کے دیکھ لیں شیشے نبرد کو

(۱۸۴)

میں کہہ رہا تھا یہ کہ جو ساقی نے دی صدا
گر سیر ہو چکا ہو تو جا سوئے کر بلا
تلوار کھینچ چکی ہے بڑھ آئے ہیں اشقیا
نزدیک وقت عصر ہے آخر ہے یہ وغا
جلدی بہت ہے فاطمہ کے نورِ عین کو
(دیکھیں گے محو جنگ پہنچ کر حسین کو)

(۱۸۵)

طے کر کے کر بلا کی جو آیا نجف سے راہ
دیکھا وہی جو سن چکا تھا حالِ رزمگاہ
مشغولِ حرب و ضرب ملا فاطمہ کا ماہ
دو ہو رہے تھے رن میں جوانان کینہ خواہ
ندی لہو کی وقتِ وغا چڑھتی جاتی تھی
دو ہو کے فوجِ ظلم و ستم بڑھتی جاتی تھی

(۱۸۶)

گھبرا رہے ہیں بڑشِ شمشیر سے ملک
جاتی ہے ذوالفقار کی تا آسمان چمک
کشتوں کے اس طرح سے ہیں انبارِ چرخ تک
جائے عجب نہیں جو یہ گیتی سوئے فلک
(مشکات ہیں کلام میں باتیں یقین کی)
اُلٹی کھنچی ہیں آج طنائیں زمین کی

(۱۸۷)

ہنگامِ عصر آ جو چکا تھا دمِ جدال
چوٹیں منجی ہوئی تھیں قیامت کا تھا جلال
ہو ہو کے دو زمیں پہ تڑپتے تھے بدخصال
لاشیں کچل رہا تھا فرس، تن تھے پائمال
ایزائے بارِ سُم دلِ بسمل پہ سہ گئے
ہنچی جولی تو زخموں کے منہ کھل کے رہ گئے

(۱۸۸)

دکھلا رہے تھے جنگ میں زورِ یدِ الہی
پیوندِ خاک ہو رہا تھا ہر تنِ قوی
پھر اک طرف پڑی سپہِ شر میں ابتری
غالب رہا ہر اک پہ جگر گوشہ علیؑ
رویا ہر اک جراحتِ تن منہ کو کھول کے
سوئے یمیں، یسار کو لے آئے رول کے

(۱۸۹)

اس سمت اُدھر سے آئی جو افواجِ بدآل
گیتی ہوئی سموں سے سمندوں کے پائمال
کب دو طرف بگولے اٹھے ہیں دمِ جدال
یہ پیر زالِ دہرنے کھولے ہیں سر کے بال
صدمے جو اُٹھ سکے نہ دلِ بیقرار کے
پھینکی زمیں پہ گرد کی چادر اُتار کے

(۱۹۰)

باقی رکھی نہ تیغ نے اعدا کی خود سری
بھاگا ہر ایک، پڑ گئی لشکر میں ابتری
(آزادیوں میں بھی نہ رہے قید سے بری)
اُٹھا غبار، کھنچ گئی سیدِ سکندری
ہر فرق اڑ کے تیغ کے دامن میں آ گیا
پیکِ قضا جھپٹ کے لعینوں کو پا گیا

(۱۹۱)

تھا غیظِ شاہِ دیں سے عیاںِ قبرِ کردگار
لرزاں تھے برو بحر و زمیں، دشت و کوہسار
یہ وقتِ عصرِ حملہ آخر تھا یادگار
اس حد پہ نیچوں کو بھی تھا خوفِ کارزار
ہو ہو کے ذوالفقار سے دو، فوج بڑھ گئی
گھبرا کے رن میں دھوپِ بلندی پہ چڑھ گئی

(۱۹۲)

فوجوں کا ذوالفقار نے توڑا وہ بندوبست
کھا کھا کے تن پہ زخم ہوئے سیر، فاقہ مست
خود اپنی سرکشی نے کیا وقت جنگ پست
دی بخت بد نے دشت میں اچھی طرح شکست
اُکھڑا ہوا قدم نہ لڑائی میں جم سکا
لشکر پڑاؤ پر بھی پہنچ کر نہ تھم سکا

(۱۹۳)

گردش نصیب بخت جو تھی زیرِ آسمان
تھا اپنے اختیار میں کب لشکرِ گراں
پائی نہ دہنے بائیں جو تلوار سے اماں
(گھوڑے بڑھا بڑھا کے ہوئے راس ناتواں)

رن میں شکستِ فاش ہزاروں کو دے چلے
مولاً سپاہِ ظلم کو کوفے میں لے چلے

(۱۹۴)

لشکر کو مل سکی نہ جو رن میں اماں کہیں
ہر بار بڑھتا جاتا تھا غیظِ امامِ دیں
اس حد پہ جان توڑ کے بھاگا ہر اک لعین
کوفے کے در تک آگئی افواجِ اہل کیں

لشکرِ جدارِ شہر سے آکر جو مل گیا
پہنچی دھمک، زمیں کی طرح، قلعہ ہل گیا

(۱۹۵)

دیکھا جب اس طریق سے فوجوں کا انتشار
لاحول پڑھ کے تھم گیا زہرا کا یادگار
تلوار رکھ کے دوش پہ بولے بصد وقار
کیوں دیکھی تین روز کے پیاسے کی کارزار

چاہوں تو مل سکے نہ یہاں بھی اماں تمہیں
لایا ہوں میں بھگا کے کہاں سے کہاں تمہیں

(۱۹۶)

ایسی کسی میں دیکھی ہے طاقت کرو تو غور
میری وغا نے محو کیا سرکشی کا طور
بھولے بن زیاد تعدی و ظلم و جور
دارالامارہ تیغ سے اُلٹوں بڑھوں جو اور

میں دادِ حرب و ضرب کو دیتا ہوا پھروں
چاہوں تو سرِ شریر کا لیتا ہوا پھروں

(۱۹۷)

لیکن مجھے پسند نہیں یوں کبھی دغا
بس کر چکا جہاد میں اے قومِ اشقیا
اک اس میں مصلحت تھی جو اس حد پہ یوں لڑا
غصے سے ورنہ مجھ سے مسافر کو دخل کیا

آمادہ ہوں جہاں سے گذرنے کے واسطے
آیا ہوں گھر کو چھوڑ کے مرنے کے واسطے

(۱۹۸)

بھولے گی کچھ دنوں نہ زمانے کو یہ وغا
خیر آؤ بہرِ قتل اب اس گفتگو سے کیا
اپنی خوشی سے طے نہ کروں گا یہ راستا
تم آکے لے چلو تو چلوں سوئے کربلا

زخموں سے چور چور نہ ہوں گا جو راہ میں
کیونکر کروگے ذبح مجھے قتل گاہ میں

(۱۹۹)

جب یہ یقین ہوا نہ لڑیں گے امامِ دیں
آمادہ ہو کے قتل پہ پلٹی سپاہِ کیں
تینیں کھنچیں، خدنگ چلے، برچھیاں اٹھیں
گھوڑے بڑھے، غبار اٹھا، ہل گئی زمیں

(چلائے یوں کماں کی فلک تک صدا گئی
نزدیک فوجِ شام و رے و روم آگئی)

(۲۰۰)

یوں کربلا کو جا رہے ہیں شاہِ نامدار
مارا کسی کو، کھا لیا تن پر کسی کا وار
دو کر کے اُس کو خاک سے اُٹھی جو ذوالفقار
خود اپنے زخمِ تن سے بھی اُٹھی لہو کی دھار
جس سر پہ آئی تیغ، دم اُسکے اُکھڑ گئے
دو چار وار رد کئے دو چار پڑ گئے

(۲۰۱)

طے اس طرح سے کر رہے تھے رن کا راستا
دکھائی دی جو اتنے میں سرحدِ کربلا
مقتل تک آ چکے جو شہنشاہِ دوسرا
مولاً نے ذوالفقار کو کاٹھی میں رکھ لیا
پھر ہٹ کے قتل گاہ سے نہ شہِ دو قدم گئے
سر کو جھکا کے دشت میں اک جا پہ تھم گئے

(۲۰۲)

روکے ہوئے فرس کو جو ہیں بادشاہِ دیں
ہے رن میں اک مقام پہ انبوہِ اہلِ کیں
حربے لگا رہا ہے برابر ہر اک لعین
ڈوبے ہوئے ہیں خون سے دامن و آستین
نزدیک ہے جو ظلمتِ شب آفتاب سے
بند آنکھیں ہوتی جاتی ہیں خوں کی نقاب سے

(۲۰۳)

مقتل میں بڑھتا جاتا ہے ہر لحظہ ضعفِ دل
تن سے نکل کے خوں کئے دیتا ہے مضحل
پڑتے ہیں تیر جسم پہ آ آ کے متصل
پیغامِ موت دیتا ہے ہر رنجِ جاں گسل
ہر بار دل کی چوٹ یہ ایذا بڑھاتی ہے
ہچکی جگر پہ تیر کے پڑنے سے آتی ہے

(۲۰۴)

ہے آگِ وقتِ قتل جو وادیٰ پُر بلا
تکلیف میں ہے فاطمہ کی گود کا پلا
کرتا ہے سوزِ زخمِ اذیت میں مبتلا
پڑتا ہے تن پہ تیغ کی گرمی سے آبلا
حیران تھا کہ شہ کو جہاں میں ہے جو بھی
سوزش جگر کی بڑھ گئی چھالوں سے اور بھی

(۲۰۵)

کس حد پہ تھا تحملِ سلطانِ کربلا
تکلیفِ زخم کی تھی جدا، چھالوں کی جدا
دو طرح جسمِ شہ تھا اذیت میں مبتلا
اب اس سے بڑھ کے کیا ہو جراحت کی انتہا
روتے تھے بے کسئی شہِ دیں پہ ٹوٹ کے
ہوتے ہیں زخم، جسم پہ چھالے بھی پھوٹ کے

(۲۰۶)

تیغیں کہیں ہیں اور کہیں برچھیاں علم
نکلے ہوئے نیام سے ہیں خنجرِ دو دم
ہے مستعد جو قتل پہ ہر بانی ستم
ہر بار چاہتا ہے یہ اسپِ سبک قدم
مولاً سے دشمنی ہے ہر اک کینہ خواہ کو
اس بھیڑ سے میں لے کے نکل جاؤں شاہ کو

(۲۰۷)

کہتے ہیں باگِ کھینچ کے شاہِ فلک مقام
لے کر کہاں چلا مجھے اے اسپِ تیز گام
(تشنہ لبی میں قتل کے ہوتے ہیں اہتمام)
ہو جاؤں میں شہید تو بن جائیں میرے کام
موت آج اگر نہ آئے گی مجھ دل ملول کی
قعرِ سقر میں جائے گی امتِ رسول کی

(۲۰۸)

تو اپنے دل پہ مجھ سے مسافر کا غم نہ کھا
چھٹ کر ہر اک سے خلق میں زندہ رہا تو کیا
بھائی کمر کو توڑ کے مجھ سے ہوئے جدا
بن بیاہے قتل ہو گئے ہمیشہ مصطفیٰ
نکلی ہوں نہ دختر شیر الہ کی
نیند اڑ گئی تھی راتوں کی حسرت میں بیاہ کی

(۲۰۹)

بتلاؤں کیا کہ ہوتا ہے کیا حالِ قلب زار
کہتی ہے جب یہ دختر خاتون روزگار
تم بن نہیں ہے اے علی اکبر مجھے قرار
کس وقت رن سے آؤ گے گھر میں یہ ماں نثار
تنتے ہوئے مکاں میں چلے آؤ شیر سے
رستہ تمہارا دیکھ رہی ہوں میں دیر سے

(۲۱۰)

چھوٹے ضعیف باپ سے جب اس طرح پسر
کیونکر کرے وہ صبر کہ خوں ہیں دل و جگر
اس غم کا کیا بتاؤں پڑا کس طرح اثر
اب انتہا یہ ہے کہ کچھ آتا نہیں نظر
گو دن ہے پر شکایتِ ضعفِ نگاہ ہے
آنکھوں میں میری سارا زمانہ سیاہ ہے

(۲۱۱)

گھوڑے سے کہہ رہے تھے ابھی یہ شہِ انام
جو سر پہ آ کے پڑ گئی اک قہر کی حسام
ڈوبا لہو میں چہرہ مولائے خاص و عام
سر کو پکڑ کے زیں پہ جھکا وہ فلک مقام
بے حد ہوا الم دل اندوہناک پر
خوں کہنیوں سے بہنے لگا فرشِ خاک پر



ماتم کی صدا

فدائے اہلبیت آنجہانی برج ناتھ پر شاہِ محمود لکھنوی
ہر عزادار سمجھ لے گا وفا میرے بعد
پھر کرے گا مری بخشش کی دعا میرے بعد
خاک ہو جاؤں گا جل کر میں چتا میں لیکن
خاک سے آئے گی ماتم کی صدا میرے بعد

عزادار حسین

روشنی پہنچا رہی ہے شمعِ رخسارِ حسینؑ
جگمگاتا رہا ہے اور دربارِ حسینؑ
الفتِ شبیرؑ میں مذہب کی پابندی نہیں
ہندوؤں میں بھی ہزاروں ہیں عزادارِ حسینؑ



Mohd. Alim

Proprietor

Nukkar Printing & Binding Centre

26-Shareef Manzil, J. M. Road,

Husainabad, Lucknow-3

0522-2253371, 09839713371

e-mail: nukkar.printers@gmail.com

التماسِ ترحیم

مومنین کرام سے گزارش ہے کہ ایک بار سورہ حمد اور تین بار سورہ توحید کی
تلاوت فرما کر جملہ مومنین مرحومین خصوصاً مرزا محمد اکبر ابن مرزا محمد شفیع و
حسن جہاں بنت باقر علی خاں کے ارواح کو ایصال فرمائیں۔

محمد عالم

نگر پرنٹنگ اینڈ بائڈنگ سینٹر حسین آباد، لکھنؤ

اسلامی جمہوریہ ایران کے صدر ڈاکٹر حسن روحانی کا دورہ ہند

اہل بیت نبویؑ اپنی اپنی رپورٹ کے مطابق صدر ایران ڈاکٹر حسن روحانی اپنے سہ روزہ دورہ ہند ۱۵ فروری کو حیدرآباد پہنچ گئے اور حیدرآباد کے بیگم پیٹ ایرپورٹ پر مرکزی مملکتی وزیر توانائی آر کے سنگھ اور تلگانہ و آندھرا پردیش کے گورنری ایل ایس ایل نے ایلر حسن روحانی کا استقبال کیا۔

ایرانی صدر ڈاکٹر حسن روحانی اپنے سہ روزہ دورہ ہند کے موقع پر تہران سے سیدھے حیدرآباد پہنچے۔ حسن روحانی نے تہران سے روانگی سے قبل ذرائع ابلاغ سے بات کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہند۔ ایران تعلقات مثبت اور صحیح رخ پر جا رہے ہیں۔ ان کا یہ دورہ 2016 میں وزیر اعظم ہندزیندر مودی کے دورہ تہران کے جواب میں ہو رہا ہے۔ اس دورہ میں کئی معاہدوں پر دستخط ہوں گے جن میں سب سے اہم چاہار اگریمنٹ شامل ہے۔ اس کے ذریعہ علاقائی تجارت، سرمایہ کاری اور ٹرانسپورٹیشن کو فروغ حاصل ہوگا۔ اس دوران 500 ملین ڈالر پر مشتمل سہ رخ معاہدہ طے پائے گا جو ہند ایران اور ان کے درمیان ہندوستانی وسائل کے ٹرانسپورٹ کے لئے ہوگا جو پاکستان کی سرحد عبور کئے بغیر عمل میں لایا جائے گا۔

اسلامی جمہوریہ ایران کے صدر ڈاکٹر حسن روحانی نے دورہ ہندوستان کے موقع پر حیدرآباد شہر کے تاریخی مقامات بالخصوص قطب شاہی محل کا دورہ کیا اور انہوں نے اسلامی تہذیب کو قریب سے دیکھا۔

صدر روحانی کا یہ دورہ اقتصادی و سیاسی مسائل سے ماوراء اپنے دور کے ابتدائی مرحلہ کے انتخاب کی بنیاد پر تاریخی و بے نظیر ہے جیسا کہ ہم نے اس دورہ کے سلسلہ سے گذشتہ تجربہ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا یہ دورہ دو عظیم ثقافتوں کے درمیان پائے جانے والے مضبوط رشتوں کو مزید پائدار بنانے کا سبب ہوگا اور اس دورہ کو محض اقتصادی و سیاسی نہیں کہا جاسکتا یہ تاریخی پس منظر کا حامل ایسا دورہ ہے جس کے ذریعہ حسن روحانی نے یہ دنیا کے ان ملکوں کو ہندو ایران کی صدیوں پرانی دوستی کا آئینہ دکھایا ہے جنہیں زور زبردستی و استبداد کے ساتھ بعض مستکبر ممالک کی بیساکھیوں پر کھڑے ابھی ایک صدی بھی نہیں گزری ہے اور وہ ہندوستان کو اپنا محض سیاسی اثر و رسوخ قائم کر کے اپنے جگری دوست کی حیثیت سے پیش کرنا چاہتے ہیں چنانچہ صدر ایران نے اپنے دورہ کو دہلی سے حیدرآباد کی طرف موڑ کر واضح اشارہ دیا ہے کہ ہماری مشترکہ وراثت سیاسی جوڑ توڑ سے، بہت آگے ہے اور یہ نادانی ہوگی کہ ہم اپنے صدیوں پرانے رشتوں کو جنگی جڑیں دونوں ملکوں کے عظیم تہن و بے نظیر ثقافتی ورثہ میں پیوست ہیں، بھلا کران لوگوں کی طرف دیکھیں جنہوں نے کلچر و تہذیب کی بنیاد ہی خون خرابہ سمجھا ہے، چنانچہ نئی دہلی کو چھوڑ کر اپنے دورہ کا اولین مقصد حیدرآباد قرار دینا اس حیثیت سے قابل ملاحظہ ہے کہ یہ وہ شہر ہے جو دونوں ملکوں کی مشترکہ تہذیب کا گہوارہ رہا ہے اور یہ وہ بات ہے جسے مسلسل ذرائع ابلاغ میں بیان کیا جا رہا ہے چنانچہ بعض تحریروں اور سیاسی تجزیہ نگاروں کے کالموں میں واضح طور پر اس بات کی طرف یوں اشارہ ملتا ہے کہ: ہندوستانی ریاست تلگانہ میں واقع حیدر آباد ہندوستان کا چھٹا بڑا شہر ہے اور یہاں موجود قدیم تاریخی مقامات اور اسلامی تہذیب ایران اور صفوی بادشاہوں کے دور کی واضح علامت ہیں۔ اس شہر کو تاریخی، سائنسی اور اقتصادی لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ایرانی صدر جمہوریہ نے اس شہر سے اپنے دورہ کا آغاز کر کے نہ صرف دونوں ملکوں کی عظیم تہذیبی وراثت کو یاد رکھتے ہوئے ہندو ایران کو جہاں اپنے درخشان ماضی اور ایک دوسرے کے ساتھ وسیع پیمانہ پر تعاون کے ابواب پر دونوں ہی ملک کے عمائدین کو متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے وہیں مکہ مسجد کی میناروں سے اسکتھار کے خلاف اذان دیکر یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ سامراج کا اگر مقابلہ کرنا ہے تو اسکی ابتداء ہر جھوٹے خدا کی نفی اور مالک کی کبریائی کے اعلان اور اس کے حضور سر تسلیم خم کرنے کے ذریعہ ہی ممکن ہے علاوہ ازیں اپنے دورہ کے ایک حصہ میں مکہ مسجد میں نماز جمعہ کو قرار دیکر صدر جمہوریہ ایران نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ہماری سیاست دین سے علیحدہ نہیں ہے مکہ مسجد وہ مسجد ہے جسے قطب شاہی عہد کے پانچویں فرمانروا محمد قلی قطب شاہ نے تعمیر کرایا تھا اس عظیم الشان مسجد سے فارسی میں خطاب کے ذریعہ صدر جمہوریہ ایران نے اس عہد کی یاد بھی تازہ کرادی جب یہاں کی زبان فارسی ہوا کرتی تھی۔ ڈاکٹر روحانی پہلے ایرانی صدر ہیں جنہوں نے کئی صدیوں سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی علامت مکہ مسجد کا دورہ کیا۔ مکہ مسجد کی تعمیر 17-1616ء میں عمل میں آئی تھی۔ یہ مسجد شہر تاریخی مرکز بھی ہے جہاں پر ہزاروں افراد روزانہ آتے ہیں۔

آہ! رئیس العلماء آیۃ اللہ سید کاظم نقوی نہ رہے

۳۰ جمادی الثانی ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰ فروری (منگل) کو ممتاز العلماء آیۃ اللہ سید ابوالحسن عرف مثنیٰ صاحب کے بیٹے سید العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی نقی نقوی طاب ثراہ و صدر العلماء آیۃ اللہ سید باقر نقوی دام ظلہ کے بھائی اور علامہ سید علی محمد نقوی مدظلہ کے چچا رئیس العلماء آیۃ اللہ سید کاظم نقوی نے اس دار فانی سے دار بقا کی جانب رحلت فرمائی۔



إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

آپ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں فیکلٹی آف آرٹس کے ڈین اور صدر شعبہ شیعہ دینیات کے عہدے سے ریٹائر ہوئے تھے۔ آپ کے عربی، فارسی اور اردو میں بہت سے تصانیف ہیں۔ جن میں کچھ کتابیں شائع بھی ہو چکی ہیں ان میں من و اہرمن آپ کی اہم تصنیف ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے بہت سے مضامین مختلف اخبارات و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔

نور ہدایت فاؤنڈیشن قارئین سے التماس کرتا ہے کہ ایک بار سورہ حمد اور تین بار سورہ توحید کی تلاوت فرما کر مرحوم کی روح کو ایصال فرمائیں۔

لبنان اسرائیل کی ہرجا رحیت کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے آمادہ ہے

حجۃ الاسلام سید حسن نصر اللہ

اہل بیت نیوز ایجنسی ابنہ کی رپورٹ کے مطابق حزب اللہ لبنان کے سربراہ حجۃ الاسلام سید حسن نصر اللہ نے اپنے خطاب میں فرات کے مشرق میں شام کے تیل اور گیس کے کنوؤں پر امریکہ کے تسلط اور قبضہ کی کوششوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ امریکہ کی نظریں شام کے تیل اور گیس کے کنوؤں پر لگی ہوئی ہیں شام نے اسرائیل کے حملہ آور ایف 16 طیارے کو سرنگوں کر کے مسلمانوں کے دل کو شاد کیا ہے۔

حزب اللہ کے سربراہ نے اسلامی مزاحمت کے شہداء کی یاد میں منعقد ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اسرائیل کے ساتھ 33 روزہ جنگ کے بعد لبنان مزید قوی اور مضبوط ہو گیا ہے اور اسرائیل کی ہرجا رحیت کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے آمادہ ہے۔

حجۃ الاسلام سید حسن نصر اللہ نے کہا کہ بیت المقدس کو اسرائیل کا دار الحکومت قرار دینے کے امریکی صدر کے فیصلے نے فلسطینیوں کو متحدہ کر دیا اور تمام فلسطینیوں اور دنیا کے مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیت المقدس فلسطین کا دار الحکومت ہے اور اسرائیلی حکومت جعلی اور غاصب ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ اپنے ظالمانہ فیصلوں کی بنا پر آج دنیا میں تنہا ہو گیا ہے۔ سید حسن نصر اللہ نے کہا کہ ایران کی لبنان کے امور میں کوئی مداخلت نہیں بلکہ ایران لبنانی قوم اور حکومت کا سچا حامی اور طرفدار ہے اور وہ لبنانی عوام کے باہمی اتحاد، سر بلندی اور سرفرازی کا خواہاں ہے۔

سید حسن نصر اللہ نے بحرینی حکومت کی طرف سے اپنی شہریوں کی شہریت سلب کرنے اور غیر ملکی شہریوں کو شہریت دینے کے اقدام کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ بحرینی حکومت طاقت کے زور پر عوام کے مطالبات کو دبا رہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ممکن ہے بحرینی حکومت اسرائیل، امریکہ اور سعودی عرب کے تعاون سے کچھ عرصہ تک کامیاب رہے لیکن حقیقی کامیابی بحرینی عوام کو نصیب ہوگی اور بحرینی بادشاہ کا نام بھی تاریخ کے ظالم و جابر بادشاہوں کی فہرست میں شامل ہو جائے گا۔

انہوں نے یمن کے مظلوم عربوں پر سعودی عرب کے مجرمانہ ہوائی حملوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ یمن کے معاملے پر انسانی اور عالمی اداروں کی خاموشی اس بات کا مظہر ہے کہ یہ عالمی ادارے سامراجی طاقتوں کے زیر اثر ہیں۔